والعصر ○ ان الانسان لفی خسر ○

جامعہ عثمانیہ کا ترجمان

العصر

پشاور

مدیر مسؤل

مفتی غلام الرحمٰن

نومبر 2003ء رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

Scanned with CamScanner

آپ کی توجہ کیلئے !!

جامعہ عثمانیہ پشاور کے توسیعی منصوبہ میں حلقہ جلوزی علاقہ خٹک چراٹ روڈ نزد پبی میں پچپن کنال وسیع قطعہ اراضی پر دو ہزار طلباء کیلئے تدریسی، رہائشی اور دفتری عمارات کا مجوزہ نقشہ تیار ہو چکا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار نمازیوں کیلئے جامع مسجد "عبداللہ ابن مسعودؓ" کے نام سے ایک وسیع اور خوبصورت مسجد بھی منصوبہ کا اہم حصہ ہے۔ سرسری جائزہ کے مطابق صرف مسجد پر (دو کروڑ) 2,00,00,000 روپے کی لاگت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پاک نام لیکر اس منصوبہ پر کام شروع کیا گیا ہے

کیا معلوم ؟ کہ آپ جیسے درد دین رکھنے والے بے لوث خادم دین مسلمان کی حلال آمدنی میں سے کچھ حصہ اس کے لئے قبول ہو کر آخرت سنوارنے کا ذریعہ ثابت ہو۔ اس لئے آپ اس مقدس مشن میں اپنا حصہ نقد، سریا، سیمنٹ، بجری ریت یا عمارتی لکڑی کی شکل میں ڈال سکتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس اہم خدمت کیلئے قبول فرمائے۔ آمین

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ عثمانیہ پشاور

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان

ماہنامہ

العصر

پشاور

زیر سرپرستی

حضرت مولانا حکیم لطف الرحمن صاحب زید مجدھم

مجلس ادارت

مدیر مسئول
مفتی غلام الرحمن

نائب مدیر
مولانا ذاکر حسن نعمانی

مجلس مشاورت

مولانا حسین احمد
مفتی نجم الرحمن

قانونی مشیر
نثار خان ایڈووکیٹ

نومبر 2003ء رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ جلد ۹ شمارہ ۱۱

فہرست مضامین

اداریہ	صدائے عصر	۲
نیک اعمال کا اظہار جائز ہے	مفتی ذاکر حسن نعمانی	۸
نظام تعلیم میں انقلابی اصلاحات	بریگیڈیئر (ر) محمد علی	۱۱
علمی، عملی و روحانی دنیا کا حادثہ	مفتی ذاکر حسن نعمانی	۳۱
یادِ حیات	مولانا حسن جان	۴۰
اخبار الجامعہ	مولانا حمید اللہ جان	۴۸
تبصرہ کتب	احسان الرحمن عثمانی	۵۳

پبلشر و دفتر

مفتی غلام الرحمن نے وحدت پرنٹنگ پریس خیبر بازار پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ العصر جامعہ عثمانیہ نوتھیہ روڈ پشاور صدر سے شائع کیا

پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۹ پشاور صدر صوبہ سرحد پاکستان فون ۰۹۱-۲۷۲۳۵۶۱

بدل اشتراک فی پرچہ 15 روپے / زرسالانہ اندرون ملک 125 روپے بیرون ملک 25 ڈالر کی قیمت

صدائے عصر

اسلامی معاشرہ میں غریب پروری کا تصور

تقلیل غربت (POVERTY REDUCTION STRATEGY) کے حوالہ سے (سکیل ڈیولپمنٹ کونسل) نے پی سی میں 15 دسمبر کو یک روزہ ورکشاپ کا اہتمام کیا تھا، جس میں مدیر ﴿العصر﴾ نے غربت کے حوالہ سے جو معروضات پیش کیے، افادہ عام کے لئے نذر قارئین ہیں- (ادارہ العصر)

معزز خواتین وحضرات!

میں SDC کے جملہ اراکین خصوصاً صوبہ سرحد کی نامور شخصیت جناب حاجی جاوید صاحب سابق وزیر مذہبی امور صوبہ سرحد کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں- جنھوں نے مجھے اس مجلس میں چند معروضات پیش کرنے کا موقعہ فراہم کیا- خدا کرے کہ موقعہ کی مناسبت سے آپ حضرات کے سامنے اسلام کی آفاقی تعلیمات کی روشنی میں کچھ عرض کرسکوں-

معزز سامعین!

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرہ کی بہتری کے لئے جو خدمت سرانجام دی جائے وہ قابل تحسین ہوتی ہے- تقلیل غربت کے حوالہ سے اگر معاشرہ میں غرباء، فقراء اور ناتواں لوگوں کی کوئی مدد ہو تو اس کی جتنی تعریف کی جائے، کم ہے- یہ کتنا مستحسن کام ہے کہ اللہ تعالی کی ناتواں مخلوق کا کوئی سہارا بنے اور اس کے دکھ درد میں شریک ہو- یہاں پر میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام میں جہاں فقر کے فضائل بیان ہوئے ہیں- اس سے اضطراری فقر نہیں بلکہ اختیاری فقر مراد ہے- یعنی ایک شخص تونگری کے باوجود اپنی عبدیت پر نظر رکھے- غرور وتکبر کی بجائے فقیرانہ مزاج رکھے- انسان کی معراج یہی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے دربار میں ہر وقت اپنے آپ کو فقیر ومحتاج سمجھے- اللہ تعالی کے دربار سے

حقیقت شیطانی حربہ ہے-جس سے انسان گمراہی اور بے دینی کا شکار ہوتا ہے- البتہ جہاں اختیاری طور پر ایک شخص حالات سے مجبور ہوکر غربت کا شکار ہو تو اسلامی معاشرہ کا یہ فریضہ ہے کہ ناتواں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرے بلکہ اس میں بلاامتیاز مذہب وعقیدہ غریب معاشرہ کی ضروری ہے- یعنی اگر اسلامی معاشرہ میں ایک غیر مسلم غربت کی زندگی بسر کررہا ہو، تو زکوۃ کی مد سے اگرچہ غیر مسلم کی مدد نہیں کی جاسکتی- لیکن دوسرے عطیات اور صدقات نفلیہ سے اس کی امداد ضروری ہے-

تقلیل غربت اور اسلامی معاشرہ کی موزونیت:

آج کل ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کئی تنظیمیں غربت کی تقلیل کے حوالہ سے کام کررہی ہیں- اچھا کام اچھا ہوتا ہے- خواہ جو بھی کرے، لیکن میرا خیال ہے کہ غربت کی تقلیل کے حوالہ سے ایک اسلامی معاشرہ میں جو محنت ہوتی ہے- اس سے زیادہ بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے- اس قابل تحسین جذبہ کی آب یاری کے لئے مناسب موقعہ محل اسلامی معاشرہ ہے- دوسرے معاشرہ سے اس جذبہ کو حوصلہ ملنا مشکل ہے آخر کار ایسا معاشرہ، جس میں بوڑھی ماں اور ناتواں باپ اولڈ ہاسٹل پیپلز ہاؤس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے ہوں- اور جوان بیٹا اپنی عیاشی میں گم ہوکر بوڑھے والدین کے بارے میں کوئی خیر خبر نہیں رکھتا ہو تو ایسے معاشرہ سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے- کہ وہ بنی نوع انسان کی غریب مخلوق کی بہتری کے لئے کوئی قدم اٹھائے- اگر کوئی شخص ایسے سنگدلانہ معاشرہ سے اٹھ کر غرباء کی فکر کرے تو یہ اس کی انسانیت کا بین ثبوت ہے اور یا پھر کہیں پس پردہ دوسرے مقاصد واغراض کو لیکر انسانی معاشرہ کی خیرخواہی کے لبادہ سے ان کو چھپا رہا ہے- جیسا کہ اکثر این جی اوز کا یہی شیوہ ہے کہ وہ بظاہر کچھ اور کرتے ہیں اور پس پردہ ان کے مساعی ومقاصد دوسرے ہوتے ہیں-

اسلامی معاشرہ کا بنیادی اصول:

بہر حال اسلامی معاشرہ خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، رعیت ہو یا حکومت، یہ اس کے فرائض منصبی کا حصہ ہے کہ وہ معاشرہ میں غربت کی کمی کے لئے کوشش کرے- اس لئے حضرت عمرؓ فرماتے

Scanned with CamScanner

ہیں-اگر میں پیٹ بھر کر کھڑا ہو جاؤں اور میری رعیت کے دوسرے انسان بھوکے ہوں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ میں عوام کا بہتر والی نہیں ہوں-اسلامی معاشرہ کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے کہ (الخلق عیال الله)

یعنی پوری مخلوق اللہ تعالی کا کنبہ ہے ایک دوسری روایت میں ہے-(فالناس شریفهم ووضیعهم فی ذات الله سواء — الله ربهم وهم عباده) یعنی تمام انسان خواہ اعلی ہوں یا ادنی، سب اللہ تعالی کے دربار میں برابر ہیں-اللہ تعالی ان کا رب ہے اور یہ اس کے بندے ہیں-یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالی کے دربار میں مقام ومرتبہ کا معیار ایمان اور تقوی ہے-لیکن جہاں تک معاشرتی خیرخواہی کے حوالہ سے ہو تو اس میں پورا معاشرہ بلا امتیاز مذہب وعقیدہ حسن سلوک کا مستحق ہے-اللہ تعالی ایک کافر پر بھی ظلم اور زیادتی برداشت نہیں کرتا-سمجھانے کے لئے اتنا عرض کروں کہ کافر کی مثال نافرمان بیٹے کی ہے-بیٹا نافرمان ہی کیوں نہ ہو پھر بھی باپ شفقت پدری کے حوالہ سے اس پر ظلم وزیادتی برداشت نہیں کرتا ہے-کسی غریب کو کھانا کھلانے پر اللہ تعالی کی خوشنودی اس پر موقوف نہیں کہ وہ مسلمان ہو بلکہ معاشرہ کے غیر مسلم غریب سے تعاون بھی اللہ تعالی کی خوشنودی کا ذریعہ ہے-اس لئے جب پورا معاشرہ اللہ تعالی کا گھرانہ قرار دیا گیا تو اس میں گرے ہوئے افراد کو سہارا دینا، اسلامی معاشرہ کا اہم فریضہ ہے-

تقلیل غربت کا عملی نمونہ:

اسلامی معاشرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہتی کہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تقلیل غربت کے لئے ثمر آور محنت کی گئی-چنانچہ ہجرت نبویؐ کے موقعہ پر مکہ کے آسودہ حال گھرانوں نے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنا گھر اور جائیداد قربان کر کے مدینہ منورہ ہجرت کی-تو مکہ کے سرمایہ دار خاندانوں میں سے ہونے کے باوجود مدینہ منور جا کر فقراء اور غرباء بنے- یہ مشکل وقت تھا کہ جب اتنی بڑی جماعت آ کر مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئی-حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿مواخات﴾ کے مقدس رشتہ سے مہاجر اور انصاری کے درمیان ایسا

تعلق قائم کیا جس سے انصار نے مہاجر بھائیوں کی خدمت میں بے مثال قربانیاں پیش کیں-انصار اور مہاجرین کی ان بے مثال قربانیوں سے دوسرے بہتر اثرات کے علاوہ یہ نتیجہ بھی سامنے آیا کہ آسودہ حال لوگوں نے غرباء اور فقراء کی دل کھول کر خدمت کی اور غربت پر کافی حد تک قابو پالیا گیا-

تقلیل غربت کے ذرائع:

مدنی زندگی کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غربت کی تقلیل کے لئے چند ذرائع اختیار کیے جا سکتے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں-

(۱) تجارت:

یعنی آپ معاشرہ کے کسی غریب فرد کو غربت کے دلدل سے نکالنے کے یہ طریقہ اختیار کر سکتے ہیں کہ اس کو تجارت میں لگوائیں-اگر اس کی صلاحیتیں ایسی ہوں کہ وہ معاشرہ میں کاروبار کر سکتا ہے تو آپ کوئی چھوٹا موٹا کاروبار اس کے لئے شروع کرا سکتے ہیں-چنانچہ مہاجرین نے مدینہ منورہ آ کر کاروباری معاملات سنبھال لئے-اور خداداد صلاحیتیوں سے مختصر وقت میں تجارتی معاملات کو ایسی کامیابی سے چلایا کہ جلد ہی وہ لوگ دوسروں کو سہارا دینے کے قابل ہو گئے-

(۲) زراعت-

انصار چونکہ زمیندار تھے، اس لئے ابتداء میں تعلیمات نبوی میں ان کی حوصلہ افزائی کی گئی-کہ جس شخص کی زمین ہو وہ خود کاشت کرے-ورنہ کسی مسلمان بھائی سے تعاون کر کے زمین اس کو دیدے تا کہ وہ اس کو قابل کاشت بنا سکے-اس وقت کسی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ اپنی زمین کسی دوسرے مسلمان بھائی کو بٹائی سسٹم پر دیا کرے بلکہ صحابہ کے معاشرہ میں یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا اس لئے کسی مالک زمین کے پاس جب زمین فالتو رہتی تو وہ دوسرے مسلمان کو زراعت کے لئے حوالہ کر دیتے-ہاں بعد ازاں خیبر کے موقعہ پر اس کے جواز کی دلیل مل گئی ہے کہ بٹائی سسٹم جائز ہے-غربت کے ازالہ اور تقلیل کے لئے شاید یہ قدم اٹھایا گیا ہو-غربت کو کم کرنے کے لئے یہ بھی ایک ثمر آور محنت ہو

Scanned with CamScanner

سکتی ہے کہ نادار بچوں کو فنی تعلیم دی جائے تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں چنانچہ شرعی نقطہ نظر سے ایک فنی ماہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی ہنرمندی سے فیض یاب کرے۔ متقین کی صفات میں ﴿ومما رزقنھم ینفقون﴾ کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جو علم و ہنر اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہو وہ اس کو بے لوث خرچ کرتے رہیں۔ یعنی معاشرہ کے دوسرے افراد کو سکھایا کریں۔

(۴) غربت کی تقلیل کی آخری صورت شاید صرف اسلام میں آپ کو مل سکے۔ دوسرے ادیان یا نظریات میں اس کا تصور مشکل ہے۔ وہ غرباء اور فقراء کا مالی تعاون ہے۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو غرباء سے ہمدردی کے جذبہ کی ترغیب دلا کر صدقات واجبہ اور دوسرے عطیات خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ مصارف زکوٰۃ میں ﴿مؤلفۃ القلوب﴾ اور ﴿عاملین﴾ کے علاوہ دوسری تمام قسموں میں صدقات دینے سے غربت کا خاتمہ مقصود ہے۔ صرف اس سے تحدید نہیں بلکہ ظہار، قتل اور دوسرے قسم کے کفارہ جات سے غرباء سے تعاون مقصود ہے۔ ایسا ہی صدقہ فطر اور عشر وغیرہ میں معاشرہ کے ناتواں طبقہ کو سہارا دینا مقصود ہے۔ زکوٰۃ کے بارے میں تو یہاں تک کہا گیا کہ ﴿توخذ من اغنیائھم وترد الی فقرائھم﴾ یعنی زکوٰۃ مالدار لوگوں سے لیکر ان کے غرباء کی طرف لوٹائی جائے گی۔ ایک اسلامی معاشرہ میں اگر صدقات واجبہ کی ادائیگی کا احساس عام ہو اور مصارف تک پہنچانے میں احتیاط ہو تو اس سے غربت پر بڑی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔ اور اسلامی معاشرہ پر ایسا دور بھی آ سکتا ہے کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

سودی معاشرہ و تقلیل غربت سکیم کی ناکامی:

ماشاء اللہ آپ حضرات ایک اہم ذمہ داری لیکر میدان میں نکلے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ میں آپ حضرات کی توجہ ان رکاوٹوں کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں جن سے آپ کی اچھی محنت بے سود ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ حضرات کو غربت کی تقلیل کیلئے سودی نظام کو بھی ختم کرنا ہوگا ورنہ سودی نظام میں رہتے ہوئے آپ کی کوئی محنت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ دونوں مختلف

دینی میں متضاد ہیں۔ سودی نظام میں غربت کا اضافہ ناگزیر ہے۔ بلکہ اس میں محض سرمایہ داروں کی دولت افزائی ہوتی ہے۔ جس سے غریب مزید بوجھ کے نیچے دب جاتے ہیں۔ آپ اپنے اس معاشرہ کو لے لیں جہاں اگر بے چارہ زمیندار کو زرعی قرضہ دیا جائے یا کسی فنی ماہر کو دس ہزار روپے تک قرض دیدے اور آفت سماوی کی وجہ سے قرضدار قرض کی ادائیگی کی قدرت نہ رکھے تو اسکو جیل بھیجا جاتا ہے جبکہ سرمایہ داروں کیلئے نظام میں کروڑوں روپے معاف کرنے کا قانون موجود ہے۔ ایسا ہی ٹیکس کے ظالمانہ نظام میں غریب کو سر اٹھانے کا موقع بہت کم ملتا ہے۔

ٹیکس بلاشک اسٹیٹ کی ضرورت ہے لیکن اس میں انصاف پسندی اور ضرورت کا اصول مضمر ہونا چاہیے۔ ہمارے موجودہ غیر منصفانہ نظام میں آپ جو محنت بھی کرو گے اس کو دوام ملنا مشکل ہے۔ اس لئے آپ حضرات غربت کو ختم یا کم کرنے کے لئے ظالمانہ نظام کو جڑ سے نکال کر باہر پھینکیں تب آپ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ عالمی تنظیموں کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ جو تنظیمیں تقلیل غربت کے علمبردار ہیں یا غربت مکاؤ کی مہمیں لگا رہی ہیں کہ سودی نظام میں ان کی کامیابی کا گراف کیا ہے؟ اگر اسلام کے اقتصادی نظام کو اپنایا جائے جس میں محنت کا تحفظ ہوتا ہے اور یہ کوشش ہوتی ہے کہ غریب پر اضافی بوجھ نہ ڈالا جائے تو اس سے یقیناً غربت کم ہوگی۔

(والعصر ان الانسان لفی خسر)

نیک اعمال کا اظہار جائز ہے

مفتی ذاکر حسن نعمانی

امام رازی کی کتاب ''کتاب النفس والروح'' کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

عمل کے اخفاء میں اخلاص اور ریا سے خلاصی کا فائدہ ہے اور نیک عمل کے اظہار میں یہ فائدہ ہے کہ لوگ نیک لوگوں کی پیروی کریں گے اور نیکیوں کی طرف ترغیب ہوگی۔ لیکن اس میں ریا کی آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلانیہ نیکی کرنے اور مخفی طور پر کرنے کی تعریف کی ہے و ان تبدوا الصدقات فنعماھی و ان تخفوھا و توء توھا الفقرأ فھو خیر لکم ۔ یعنی اگر تم صدقات اعلانیہ دو تو اچھی بات ہے اور اگر اس کا اخفاء کر کے فقیروں کو دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ نیکی کے اظہار کے دو طریقے ہیں۔

(۱) نفس عمل سے اظہار (۲) عمل کے بارے میں زبان سے گفتگو کر کے اظہار کرنا نفس عمل کا اظہار یہ ہے کہ عمل کا اخفاء ممکن نہ ہو جیسے حج، جہاد اور عمرہ اور بعض نمازیں اور صدقات۔ وہ اعمال جن کا اخفاء ممکن نہیں ان کی طرف جلدی کرنا افضل ہے اور اپنی رغبت کا اظہار کرے تا کہ دوسروں کو اس عمل پر ابھار سکے کیونکہ ان اعمال کو مخفی رکھنا ناممکن ہے۔ پس اگر صدقہ کے اظہار سے لینے والے کو تکلیف ملتی ہے اور دوسرے کو ترغیب تو اس صورت میں اخفاء افضل ہے اس لئے کہ ایذاء حرام ہے۔ اور ترغیب ایک مندوب اور مستحب امر ہے کیونکہ حرام کا ترک کرنا مستحسن کام کے کرنے سے بہتر ہے۔ اور اگر اظہار صدقہ سے لینے والے کو ایذاء نہیں ملتی تو اس میں دو قول ہیں۔ بعض کے نزدیک اخفاء افضل ہے ایک مستحسن امر سے کیونکہ اظہار میں ریا کا خطرہ ہوتا ہے اور ریا حرام ہے لہذا جس بات میں حرام کا احتمال ہو۔ اس بچنا امر مندوب کے ارتکاب سے بہتر ہے۔ بعض کے نزدیک اظہار اخفاء سے افضل ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اظہار عمل کا حکم دیا ہے تا کہ لوگ اقتداء کر سکیں اور ان کے بارے میں ہم یہ گمان نہیں کر سکتے کہ وہ افضل عمل سے محروم کیے گئے ہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ جس نے ایک اچھا طریقہ رائج کیا اس کے لئے اس کو اجر ہے اور جو اس راستے پر قیامت تک چلے

گا اس کا اجر بھی ملے گا۔ یہ سب کچھ اظہار عمل کے وقت ہوگا۔ لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ اظہار عمل کے بت ریا کا غالب گمان ہو تو اس کا ترک بہتر ہے۔ اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ لوگ اس کی اقتداء کریں گے۔ تو اظہار اولیٰ ہے اور اگر دونوں گمان برابر ہوں تو میرے نزدیک اخفاء اولیٰ ہے لوگوں کو ترغیب دینے سے جو کہ ایک زائد نفع ہے اگر غالب گمان یہ ہو کہ لوگوں کو ترغیب ملے گی اور اس کو راجح سمجھتا ہو تو اظہار چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

پہلی شرط: یہ ہے کہ بس اتنا کافی ہے کہ کوئی اس کی اقتداء کر بیٹھے۔ کیونکہ فی الجملہ ترغیب مل گئی ضروری نہیں کہ اس کے اظہار کی وجہ سے سب لوگ اس کی تقلید شروع کر دیں گے۔ اور پڑوسی نہیں کریں گے۔ کبھی اس کا پڑوسی اس عمل میں اس کی پیروی کرے گا۔ اور شہر والے نہیں کریں گے۔ کبھی عام لوگ اس کی اقتداء کریں گے لیکن خواص اور علماء نہیں کریں گے بعض اوقات سب لوگ اس کا اتباع شروع کر دیں گے۔

دوسری شرط: جو آدمی عمل کا اظہار کرتا ہے تو اس کو بمنزلہ پیشوا کے ہونا چاہیے تا کہ لوگ اس کی پیروی قبول کریں۔ جس کی ایسی حیثیت نہ ہو۔ اس کو نیک عمل کا اظہار نہیں کرنا چاہیے جو آدمی عالم نہ ہو اور بعض طاعات ظاہر کرے تو لوگ اس عمل کو ریا اور نفاق کی طرف منسوب کریں گے۔ تو ایسے آدمی کو طاعات کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

تیسری شرط: اپنے دل پر نظر رکھے بعض اوقات اس میں بڑا مخفی ریا ہوتا ہے۔ جو اس کو طاعات کے اظہار کی طرف بلاتا ہے لوگ تیری پیروی کریں گے۔ حالانکہ انکے دلوں میں اخلاص والے پکے اخلاص والوں کی نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دلوں میں اخلاص مضبوط اور راسخ نہیں ہوتا اور اپنا اجر ریا کی وجہ سے ضائع کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کے دل میں ریا ہے یا نہیں۔ تو اس کا طریقہ یہ کہ اس سے کہا جائے کہ اپنے عمل کو مخفی رکھ کیونکہ تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ اقتداء کریں گے اور یہ مقصود تو کسی اور کے اظہار طاعت سے حاصل ہو چکا۔ لہذا آپ کے اظہار کی ضرورت نہیں

تو اگر اس آدمی نے اپنے دل میں کوئی فرق محسوس نہ کیا تو یہ اس بات کی علامت اس کا اظہارِ عمل لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اگر لوگوں کو کسی اور طریقہ سے ترغیب مل گئی ہو تو پھر طاعت ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اظہارِ طاعت کی دوسری قسم:

عمل کرنے کے بعد اس کے بارے میں زبان سے اظہار کرنا ہے اسکا بھی وہی حکم ہے جو نفسِ عمل کے اظہار کا ہے لیکن اس میں خطرہ شدید ہوتا ہے اس لئے کہ گفتگو کی مشقت زبان پر خفیف اور ہلکی ہوتی ہے (یعنی جو کچھ زبان پر آئے گا کہتا چلا جائے گا) عمل کو زبان سے دہراتے وقت اس کا گمان کچھ اور ہوگا لیکن حقیقت میں ریا کی بجائے زبان کے ساتھ طاعت کے اظہار میں نفسِ عمل کے اظہار سے قدرے بہتری ہے۔ کیونکہ یہاں عبادت بغیر ریا کے اختتام کو پہنچتی ہے۔ اور ریا عمل ختم ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں جب عمل میں بالفعل مشغول ہو تو ریا کا داعیہ موجود ہوتا ہے۔

بدنظری سے عبادت کی حلاوت ختم ہو جاتی ہے۔ بدنظری بہت ہی مہلک مرض ہے۔ وہ عبادت کی حلاوت کو ایسا کھوتا ہے کہ اس کے فوری اثر پر حیرت ہوتی ہے۔

ایک دوسرا تجربہ میں تمہیں بتاؤں کہ اس قسم کی معصیت کے بعد کپڑوں میں بو زیادہ آنے لگتی ہے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

نظامِ تعلیم میں انقلابی اصلاحات

بریگیڈیئر (ر) محمد علی

حرفِ اول

۱۔ انسان کو انسان بنانے کے لئے تعلیم ہماری ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اور معاشرے کی اصلاح و تعمیر و ترقی کے لئے ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ اس لئے ہونا تو یہ چاہیے کہ پاکستان میں اس پر سب سے زیادہ توجہ دی جائے۔ لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ شعبہ سب سے زیادہ عدم توجہی کا شکار ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ قوم نے گویا اجتماعی خودکشی کا ارادہ کر کے اس شعبے کو مکمل تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اس تباہی کے ذمہ دار ہم سب ہیں۔ والدین، اساتذہ، علماء دین و عوامی راہنما اور حکومت سب اپنے اپنے کردار کو ادا نہیں کر رہے اور آہستہ آہستہ اس شعبے کا مکمل کنٹرول غیروں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ تمام بڑے اور اہم فیصلے انہی کے ہدایات پر کئے جا رہے ہیں اور وہ ہمارے لئے اب ایک ایسی نسل تیار کر رہے ہیں کہ جو ہمارے دین سے نابلد بلکہ مذہب سے تقریباً بیزار ہے۔ پاکستان کے دو قومی نظریہ پر کم ہی یقین رکھتی ہے۔ اپنی اسلامی تہذیب، تاریخ اور درخشندہ روایات سے ناواقف ہے۔ پوری طرح مغربی لباس، عادات اور زبان میں رچ بس گئی ہے۔ اس کے "Ideals"، زندگی کا فلسفہ اور زندگی کے معیار مغرب سے ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔ یہ نوجوان پڑھے لکھے ان پڑھ تو ہیں مگر اصل علم و فن و اخلاق و کردار کے مطلوبہ معیار سے کوسوں دور ہیں۔ الغرض ہم نے اپنی قوم رسول ہاشمیؐ کی پہچان کو گم کرنے کا پورا سامان کر دیا ہے۔

۲۔ میرا خیال ہے کہ ان تاثرات کو پڑھ کر آپ میں سے بہت سے بھائی پریشان نہیں ہوئے ہونگے۔ کیونکہ اس قسم کے بیانات ہم اکثر سنتے رہتے ہیں اور یہ عام کی بات لگتی ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے معاشرے کی منفی قوتوں اور مغرب کے اشتراک سے نہایت سنجیدہ، موثر اور ایک طویل منصوبہ بندی کے تحت ہمارے لئے نافذ العمل یہ زہر آلودہ نظامِ تعلیم اب ہمارے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گیا ہے کہ ہمیں اس کی تلخی محسوس ہی نہیں ہوتی۔ یقین کیجئے قومی و ملی زندگی کی بقا اور

دین کے قیام کے لئے اہم ترین شعبہ تعلیم و تربیت ہی ہے۔ مگر ہمارے یہاں اس کو وہ اہمیت بالکل نہیں دی جارہی جو اس کا حق ہے۔ یہ تو ہر بیدار مغز، جری اور آفاقی پیغام و عمل کے عامل قوم کا اہم ترین اور مقدس شعبہ ہونا چاہیے۔ اور مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں ہونا چاہیے۔ مگر عملاً یہ ہر قسم کی قومی و ملی پابندیوں سے آزاد ہو کر امریکہ و برطانیہ کے نظاموں اور طور طریقوں سے ہم آہنگ ہو چکا ہے۔ اس کو فوری طور پر اب دوبارہ ملکیت میں لینے اور سنبھالنے کی ضرورت ہے۔ بگاڑ کی جو حالت اس وقت پہنچی ہوئی ہے یہ آسانی سے اب ٹھیک ہونے والا نہیں۔ ادھر اُدھر کے جزوی اصلاحات سے کام ہر گز نہیں بنے گا۔ مضبوط سیاسی قوت وارادے کے ذریعے بڑے بنیادی اور انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہم سب کو اپنی مکمل تباہی و بربادی کا بس تھوڑا ہی انتظار کرنا پڑے گا۔ میں اپنی حقیری کوشش سے پاکستان کے سب باشندوں کو متنبہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تا کہ اس اہم ترین ضرورت کا احساس دلاسکوں اور ہم سب مل کر ایک زبردست عوامی تحریک سے مرکزی وصوبائی حکومتوں کو آمادہ کر سکیں کہ وہ ہمارے قومی و ملی مقاصد سے ہم آہنگ مطلوبہ انقلابی تبدیلیاں فوری طور پر لائیں۔ کسی بھی اسلامی معاشرے میں اس کا تعلیمی نظام اگر افراد میں اللہ کی مکمل بندگی اور خدا خوفی جیسی اعلیٰ انسانی اقدار و عقائد نہ پیدا کر سکے اور معاشرے کو علوم وفنون کے ماہر، با اخلاق و باکردار اشخاص مہیا نہ کر سکے تو یہ نظام بے کار ہے، فیل ہے، کم از کم ہمارا نہیں ہے۔ ہم اپنے تعلیمی نظام کو درست کر کے ان اعلیٰ مقاصد کو ہر صورت میں حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے سارے مسائل کا حل ہیں۔

ا۔ موجودہ نظامِ تعلیم کا تجزیہ:۔

۳۔ بنیادی خامیاں۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں بڑی خامیاں درج ذیل ہیں:۔

(ا) پاکستان میں ہم نے اب تک اپنا قومی نصب العین صحیح طور پر طے ہی نہیں کیا۔ ہمارے آئین میں مبہم طریقے سے اور جگہ جگہ بکھرے ہوئے اشارات ضرور موجود ہیں لیکن یہ بھی بنیادی طور پر ایک سیکولر آئین ہے اور صرف چند اسلامی دفعات کی لیپاپوتی کر کے اس کو مسلمان بنانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ ہمارا قومی نصب العین یا قومی مقصد حیات، جو ہر صورت میں ملت اسلامیہ سے منسلک ہو، آئین میں غیر مبہم الفاظ میں درج ہونا چاہیئے اور آئین کے باقی سارے آرٹیکل اس مقصد

یات کو حاصل کرنے کے لئے لائحہ عمل کا کام دیں۔ یہ مقصد پاکستان کے تمام سرکاری محکموں اور باشندوں کو معلوم ہونا چاہیئے، اور اس کے حصول کے لئے دن رات کام کرتے رہنا چاہیے۔ لیکن ایسا ہر گز نہیں ہو رہا۔

(۲) چونکہ قومی مقصد حیات طے نہیں ہے۔ اس لئے تعلیم وتربیت کے مقاصد و اہداف بھی طے نہیں ہو سکتے، ان دونوں کا آپس میں بڑا تعلق ہے۔ تعلیمی مقاصد قومی مقصد حیات ہی سے اخذ کئے جاتے ہیں۔

(۳) چونکہ تعلیمی مقاصد اور اہداف معلوم نہیں، اس لئے پورے پاکستان میں با مقصد تعلیم و تربیت، یکساں نظام تعلیم، یکساں نصاب و نصابی کتب، یکساں ذریعہ تعلیم اور یکساں تعلیمی پالیسی کا مکمل فقدان ہے۔ سرکاری و نجی شعبے دونوں نے اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ جس کی جو مرضی ہو، تعلیمی پالیسی بنالیتے ہیں۔ بے مقصد نصاب اختیار کر لیتے ہیں۔ جو نصابی کتب چاہیں لگا لیتے ہیں۔ جس کا ملکی و غیر ملکی یونیورسٹی سے مرضی ہو الحاق کر لیتے ہیں، ایک نظریاتی ملک ہوتے ہوئے بھی غیر ملکی یونیورسٹیوں سے الحاق غیر قانونی نہیں کیا گیا ہے اور ہمارے بہت سے نجی تعلیمی ادارے اس قانونی سقم سے فائدہ اٹھا کر مسلمان بچوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ تقریباً تمام نجی تعلیمی ادارے صرف اور صرف کمرشل مقاصد کے حصول کے لئے چلائے جارہے ہیں۔

(۴) انگریزی پر بطور زبان اور بطور ذریعہ تعلیم غیر ضروری بلکہ مجرمانہ طور پر زبردستی زور دیا جارہا ہے اور آئین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے قومی زبان اردو کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کرنے میں دیدہ و دانستہ مسلسل رکاوٹیں ڈالی جارہی ہیں۔ جس سے ہماری ساری تہذیبی، اخلاقی، دینی اقدار اور تخلیقی صلاحیتیں ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں، ہماری کمزور ترین تعلیمی معیار اور ذہنی پستی کی ایک بڑی وجہ یہی انگریزی ہے۔

(۵) اساتذہ کرام کا انتخاب، تربیت اور مواخذہ میں مجرمانہ غفلت، سیاسی مداخلت اور اقرباپروری کی وجہ سے ان کا معیار نچلے ترین سطح تک گر گیا ہے۔ اب تو محکمہ تعلیم میں بطور استاد بھرتی ہونا صرف ایک ملازمت حاصل کرنے کی نیت سے ہوتا ہے۔ وہ استاد صحیح معنوں میں معمار ملت ہے یا

نہیں یہ کوئی نہیں دیکھتا۔ کسی قوم کے لئے اس بدقسمتی سے کوئی اور ہو سکتی ہے؟

(٦) ملک میں، اور خاص طور پر صوبہ سرحد میں شرح، خواندگی عملی طور پر ٢٦ فی صد سے زیادہ نہیں۔ اور
یہ بھی صرف پڑھنے لکھنے تک ہے۔ گویا صرف ایک یا دو زبانوں کا علم ہے جو باقی ہے۔ جہاں تک اصل
علم (Knowledge) اور تربیت کا تعلق ہے، وہ ہماری نئی پودے کے علاوہ ان سے پہلے اکثر
پڑھے لکھوں میں بھی ناپید ہے۔ ان کو بھی از سر نو ضروری دینی اور دینوی تعلیم و تربیت کی اشد ضرورت
ہے، تاکہ معاشرہ میں مطلوبہ اسلامی ماحول پیدا کیا جا سکے اور نفاذ اسلام کے لئے ذہن سازی کی
جا سکے۔

(٧) نصابی کتب ہمارے قومی مقصد سے ہم آہنگ نہیں۔ علمی لحاظ سے پرانی اور غیر معیاری
ہیں۔ بھانت بھانت کی کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں حتیٰ کہ غیر ملکی کتابوں کی بھرمار ہو چکی ہے جن میں
زہریلے اور اسلام مخالف مواد کی بھرمار ہے۔

(٨) تعلیمی اداروں میں اساتذہ کا ضرورت کے مطابق موجود نہ ہونا، عمارت، لائبریریوں،
لیبارٹریوں، ورکشاپس اور دیگر مادی سہولیت کی فقدان نے تعلیم کو ایک مذاق بنالیا ہے۔ ایک کلاس میں
٨٠ بچے ہوں اور ان پر ایک استاد ہو تو نتیجہ ظاہر ہے۔ اس طرح دو کمروں پر مشتمل سکول میں چھ
جماعتیں ہوں تو پڑھائی کیسے ہوگی۔ بہت سے اداروں میں مخصوص مضامین کے اساتذہ موجود نہیں
ہیں۔ تجربات کے لئے لیبارٹریوں میں مطلوبہ ساز و سامان موجود نہیں ہے۔ آخر طلباء کہاں جائیں گے
اور کیا سیکھیں گے؟ اور ستم یہ ہے کہ ایک بے معنی نظام امتحانات اور سالانہ نتائج، جو نقل کے ذریعے
اخلاق قتل سے رنگیں ہوتے ہیں، اب تک چلا آ رہا ہے اور کوئی ٹھیک کرنیوالا نہیں۔

(٩) سیکولر تعلیمی ادارے (جس میں نجی اور سرکاری دونوں ادارے شامل ہیں) اور دینی مدارس دو
متوازی سمتوں میں چل رہے ہیں۔ دونوں کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں۔ دونوں مختلف قسم کے ذہنیت
اور کردار والے لوگ پیدا کر رہے ہیں۔ اور معاشرے میں ایک عجیب سی کنفیوژن پیدا کر رہے
ہیں۔ اول الذکر اکثریت میں ہیں اس لئے انہی کا ڈنکا بج رہا ہے اور بجتا رہے گا جب تک ہم ان
دونوں دھاروں کو قومی و تعلیمی مقاصد سے ہم آہنگ نہیں کر لیتے۔

(١٠) سب سے اہم یہ کہ ہم نے اپنے تعلیمی نظام سے قرآن پاک، حدیث رسولؐ، سیرت رسولؐ، عربی
زبان اور اسلامی تاریخ و جغرافیہ تقریباً مکمل طور پر خارج کر دیا ہے صرف نام کی چند چیزیں رہ گئی
ہیں۔ اسلامیات کو صرف اس لئے لایا گیا ہے تاکہ چند "انتہا پسندوں" کو مطمئن کیا جا سکے اور پورے
سیکولر نظام تعلیم کو مسلمان کہلا کر عوام کو بیوقوف بنایا جا سکے۔ اس سے مقصد ہرگز طلباء کو اپنے پیارے دین
کی فہم دینا اور ان کو عمل پر اکسانا نہیں۔

(١١) مخلوط تعلیم و مجالس کے ذریعے بتدریج طالبات کو حیاء اور پردہ کے مقدس حفاظتی حصار سے نکال
کر حریص نگاہوں اور شیطانی ہوس کی تسکین کا سامان کیا جا رہا ہے۔ کاش! والدین یہ سمجھ جائیں کہ یہ
روش ہماری خاندانی اکائیوں اور اسلامی معاشرے کی مکمل تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو رہی ہے۔ اور
سب سے اہم یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے صریح احکام کی دیدہ دلیری سے خلاف ورزی ہو رہی
ہے۔ ایسے میں دنیا و آخرت کی فلاح کا کوئی امکان باقی رہ سکتا ہے؟

(١٢) ہمارے یونیورسٹیوں کو تو تحقیق کے مراکز ہونا چاہیے تھا۔ نئے نئے افق اور علوم پڑھانا چاہیے
تھا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں، وہ بھی اب تجارتی ادارے بن گئے ہیں۔ فقط ڈگریوں اور پی ایچ ڈی دینے
کے یونٹ بن گئے ہیں۔ ملکی ترقی اور حقیقی ضروریات سے ان کا تعلق باقی نہ رہا۔ علمی و تحقیقی ماحول اب
بگڑ چکا ہے۔ فرار ذہانت (Brain Drain) کا مسلہ اب نہایت سنگین شکل اختیار کر چکا ہے۔
غیروں کی یونیوسٹیوں اور امدادی تنظیموں (Donor Agencies) کا عمل دخل ان اداروں
کو مکمل تباہی کی طرف تیزی سے لے جا رہا ہے۔ سلیف فائینس سکیم کے تحت آہستہ آہستہ یہ علمی
ادارے صرف امیروں کے بچوں کے لئے مختص ہوتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے بھی اس سکیم کے
ذریعے روپیہ کمانے کا گر سیکھ لیا ہے۔

(١٣) صوبائی اور ضلعی سطح پر تعلیم و تربیت کا انتظام و انصرام یعنی Management &
Administration بھی ہماری حقیقی ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کی مکمل تنظیم نو کی
ضرورت ہے۔ اس وقت یہ صرف اساتذہ کی ملازمت پنشن، تبادلے، نام نہاد تربیت جیسے بالکل
ابتدائی ضروریات کی مشکل سے دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے اہم شعبے ہیں جو

قابل توجہ ہیں۔اپنے اپنے سٹاف کے ساتھ دو سکریٹری صاحبان ہیں جس سے بنیادی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم میں مصنوعی دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں حالانکہ سب ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں اور ایک ہی لڑی کے خوب صورت دانے ہیں۔علاوہ ازیں تعلیم کا نظام صوبائی وزیر اعلیٰ اور گورنر کے درمیان تقسیم ہو گیا ہے۔کئی اہم شعبے براہ راست گورنر کے تحت کام کرتے ہیں جیسے امتحانی بورڈ، ٹیکسٹ بک بورڈ اور تعلیمی فاؤنڈیشن وغیرہ۔اس طرح ایک مربوط پالیسی اور اتھارٹی کے تحت کام نہیں چل رہا۔فاٹا کے تعلیمی ادارے بھی صوبائی گورنر کے تحت کام نہیں چل رہا۔فاٹا کے تعلیمی ادارے بھی صوبائی گورنر کے تحت کام کرتے ہیں اور باقی صوبے کے ساتھ برائے نام ہے یہ دورخی پالیسی بہت ساری عملی مشکلات اور غیر یکسانیت کا باعث ہے جو ظاہر ہے کسی طرح بھی قابل اطمینان نہیں۔

۴۔آخری امید ۔ یہ ہیں چند بنیادی اور تباہ کن خامیاں جو ہمارے نظام کو مکمل طور پر تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔حقیقت تلخ ہوتی ہے اس کا سننا اور سننا بہت مشکل ہوتا ہے۔مگر تباہی و بربادی بھی بالکل سامنے ہے۔آنکھیں بھی بند نہیں کی جا سکتی۔باہمت، قابل، غیرت مند اور اللہ پر مکمل توکل کرنے والے لوگ ایسی تلخ حقائق کا سنجیدگی سے سامنا کرتے ہیں اور اپنے مسائل کا قابل عمل اور فوری حل ڈھونڈتے ہیں۔ہم بھی ایسی ہی ایک قوم ہیں۔ہمیں معلوم سرکاری تعلیمی ادارے بیرونی آقاؤں کے اشاروں پر بتدریج کمزور کرائے گئے تو نجی ادارے آ گئے اور تعلیم کے نام پر تجارت کرنے لگے۔کرپشن اور لوٹ مار کے ذریعے سیکولر حکومتوں نے اصلاح احوال سے آنکھیں بند کرلیں تو بیرونی طاقتیں آ گئیں اور نقد امداد کے لالچ میں ہمارے عقائد، نصاب اور نظام کو ہی بدل ڈالا۔کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سلیف فائننس سکیم متعارف ہوا۔اوروں کی دیکھا دیکھی، ہمارے ٹیکسٹ بک بورڈ نے بھی کتابوں پر تجارت شروع کر دی اور بیرونی اداروں کی کتابوں کو قبول کر کے من وعن رائج کیا۔ماحول مزید تیار نظر آیا تو انگریزی سیکھنا کلاس اول سے فرض قرار دیا گیا۔اور اب شاید جلد تمام سرکاری تعلیمی ادارے نجی شعبہ کو منتقل ہونے والے ہیں۔اور لگتا ہے اس کے بعد اس ملک کو ہی غیر ملکیوں کو ٹھیکے پر دینا پڑے گا۔اور اجتماعی طور پر مکمل غلامی کا طوق پہننا پڑے گا۔آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ نہیں بھائی نہیں، حالات اتنے بھی خراب نہیں۔کاش! کہ ایسا ہی ہوتا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان

کو ان مسائل کا ادراک ہی نہیں ہے یا وہ دانستہ طور پر کوئی تبدیلی لانا ہی نہیں چاہتے۔لگتا ہے اس وقت ملک میں دینی، مخلص اور قابل راہنماؤں کا فقدان ہے۔بلکہ ایک واضح خلا وجود میں آ گیا ہے۔اس خلا کو کسی نہ کسی نے تو پر کرنا ہے۔اگر مرکز اور صوبوں میں موجود مقتدر قوتوں نے دینی، قومی اور ملی ذمہ داریوں اور حقیقی ضرورتوں کا فوری ادراک کرلیا، تو ہماری خوش قسمتی ہوگی اور تبدیلی پر امن ہو گی۔بصورت دیگر قوم کے دینی، علمی، سنجیدہ، مخلص اور قابل حلقے اتحاد و اتفاق کر کے ایک منظم تحریکی شکل اختیار کرلیں تو امید کی جا سکتی ہے کہ ہم صراط مستقیم پر چل پڑیں گے (یا اللہ! ایسا ہی ہو، آمین!) ورنہ سب کو معلوم ہے کہ بہتا ہو سیلابی پانی کونسا راستہ اختیار کرتا ہے اور عارضی طور پر بندھے ہوئے مٹی کے بندوں کا کیا حشر کرتا ہے اور ظاہر اس کا نتیجہ ایک خونی انقلاب ہوگا جو ہم میں سے کسی کو پسند نہیں ہوگا۔میں اس آخری امید کے سہارے آپ کی خدمت میں یہ گزارشات اور مختصر سفارشات پیش کر رہا ہوں۔امید ہے آپ غور سے پڑھیں گے۔اور کم از کم اپنے حلقہ اثر تک دوسروں تک پہنچائیں گے۔

(۲)۔چند بنیادی اصلاحات کا خاکہ

(۵) قومی مقصد حیات ۔ تعلیم وتربیت کے سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں اپنا نصب العین طے کرنا چاہئے۔تا کہ ہم اس کی روشنی میں تعلیم وتربیت کے اہداف مقرر کر سکیں۔بطور مسلمان اور ایک اسلامی حکومت پاکستان کے باشندے کی حیثیت سے ہمارا نصب العین یا قومی مقصد حیات یہ ہونا چاہئے:۔

(i)"سب مسلمانوں کو لازماً و بالخصوص اور دیگر سب انسانوں کو جہاں تک ہو سکے بالعموم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور مکمل اطاعت میں لانا، جیسا کہ قرآن اور سنت رسول کا عین حکم و تقاضا ہے۔تا کہ عبودیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہو جائے۔انسان اپنے ہی جیسے دوسرے انسان یا کسی بھی دیگر قدرتی مظہر یا جنس کی عبودیت سے آزاد ہو کر صرف خدائے واحد کی عبودیت و بندگی کے لئے مخصوص ہو جائے، اپنے تمام عقائد و اعمال کے لئے اسی کی بارگاہ سے رشد و ہدایت کی روشنی حاصل کرے اور صرف اسی کی رضا کا طالب ہو جائے"۔

(۲)''پاکستان کے تمام مسلمان پوری یکسوئی کے ساتھ دین اسلام پر قائم ہوتے ہوئے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بیعت، سمع واطاعت پر مبنی بالکل اسی طرح کا انقلاب لے آئیں جیسا کہ عہد رسول ﷺ میں لایا گیا اور جو خلفائے راشدین نے نہ صرف قائم رکھا بلکہ اس کو مزید وسعت دی۔ تا کہ پاکستان ایک مثالی اسلامی خلافت میں بدل جائے اور پھر یہاں سے نور مبین کی یہ کرنیں تمام دنیا میں پھیل جائیں اور ہر جگہ اللہ کی وحدانیت اور بندگی قائم ہو جائے۔ خلافت ارضی کا یہ فریضہ تمام امت مسلمہ پر فرض ہے اور اس لئے اسی مقصد کے حصول کے لئے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنے ان بھائیوں کی بھی عملی مدد کرنی چاہئے جو بعینہ اس طرح کی جدوجہد کہیں اور جگہ بھی کر رہے ہوں۔ پاکستان اس مقصد کے حصول کے لئے قائم کیا گیا اور صرف اس سمت میں عملی جدوجہد سے ہی قائم رہ سکتا ہے''۔

طوالت سے بچنے کے لئے میں صرف قرآن پاک کے ان خاص حوالوں یعنی سورۃ البقرہ۔۳۰، سورۃ الذاریات۔۵۶، سورۃ آل عمران۔۱۱۰، سورۃ۔۱۴۳، سورۃ الاعراف۔۵۴۔۶۵ سورۃ الشعراء۔۱۶۳، سورۃ بنی اسرائیل۔۸۰، سورۃ المائدہ۔۴۴۔۴۷ اور سورۃ الحج۔۴۱، پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ متعدد دوسرے قرآنی آیات اور احادیث رسول ﷺ بھی ایسے ہی احکام وہدایت دیتے ہیں۔ اصحاب فہم ونظر وعلماء دین ان احکامات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ مذکورہ بالا دو نقاط پر مبنی یہ منشور ہمارا قومی مقصد حیات یا نصب العین ہونا چاہئے۔ تا کہ ہم وہ اصلی خدمت سرانجام دے سکیں جس کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ ''تم ایک بہترین امت ہو جیسے لوگوں کی خدمت وہدایت کے لئے بھیجی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتی ہو اور بدی سے روکتی ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (آل عمران۔۱۱۰) اسی طرح قرآن میں ایک اور جگہ فرمایا گیا ''اس طرح ہم نے تم کو ایک اعلیٰ واشرف گروہ بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر حق کے گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو'' (البقرہ۔۱۴۳)۔ یہ فریضہ ہم تب ہی سرانجام دے سکیں گے اگر ہم خود انفرادی طور پر بھی عملی مثال بن جائیں گے جیسا کہ صحابہ رسولؐ بن گئے تھے اور اجتماعی طور بھی ایک اسلامی خلافت قائم کر دیں جیسے کہ پاک رسولؐ اور اس کے صحابہؓ نے قائم کیا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ دین اور سیاست وخلافت کا نہایت ہی قریب تعلق ہے۔ اگر

ریاست وحکومت (یعنی خلافت) دین اسلام کے بغیر ہوں تو ظلم وبے انصافی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اس کے نتیجہ چنگیزی رونما ہوتی ہے اور اگر دین اسلام ریاست وحکومت کے بغیر ہو تو اس کا ایک حصہ معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور اللہ کا دین حکمرانی وغلبہ کے بجائے غلامی اور مغلوبیت کا شکار ہو جاتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ریاست پاکستان کو صرف اسلامی بنیادوں پر قائم کیا جائے۔ امیر المومنین سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان باشندہ دین اسلام پر عملی طور پر قائم ہو اور خلافت کی استحکام و توسیع میں بھر پور حصہ لے۔ اگر ہندو اپنے ''اکھنڈ بھارت'' کے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈ سکتے ہیں، دنیا کے سب یہودی اپنے ''عظیم اسرائیل'' کو دوبارہ قائم کرنے کا عزم رکھ سکتے ہیں جس کا اردن، عراق، شام، لبنان اور سعودی عرب کے شمالی حصوں (بشمول مدینہ) پر مشتمل نقشہ ان کے پارلیمنٹ پر 1948ء سے کندہ ہے اور اقوام عالم کا منہ چڑا رہا ہے۔ اگر نصاریٰ دین اسلام کو حتمی طور پر غلام بنا کر ختم کرنا چاہتے ہیں، تو ہم کیوں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کریں؟ ہم کیوں اپنے اللہ اور اس کے حبیبؐ کے حکیم مبین احکام پر عمل نہ کریں؟ یہ فیصلہ کرنا اب جتنا ضروری ہے اتنا شاید ہی کوئی اور فیصلہ ہو۔ ہمیں اب سستی ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔

۶۔ تعلیم وتربیت کے اعلیٰ مقاصد:۔ کسی بھی ملک وقوم کے نظام تعلیم کا مطالعہ کیجئے، آپ آسانی سے اس کے قومی مقصد اعلیٰ کا تعین کر سکتے ہیں۔ تدریس کے مقاصد جس قدر زیادہ اس مقصد اعلیٰ سے قریب ہوں گے اور تعلیمی سرگرمیاں جس قدر تدریسی مقاصد سے ہم آہنگ ہوں گی تعلیم وتدریس کا عمل اس قدر با مقصد اور حقیقت پسندانہ ہوگا۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ استاد ایک تو اس قومی مقصد سے واقف ہو جو تدریسی مقاصد کا سرچشمہ ہے (جیسا کہ اوپر تجویز کیا گیا ہے) اور دوسرے یہ کہ ہر مضمون کی تدریس کا مقصد اور قومی تعلیمی مقصد سے اس کا تعلق ہمہ وقت پیش نظر رکھے۔ پاکستان کے تاریخی پس منظر، مجموعی قومی عقائد ونظریات اور عزائم کی روشنی میں ہمارے تمام تعلیمی اداروں کے لئے تعلیم کے مندرجہ ذیل اعلیٰ مقاصد ہونے چاہیے:۔

(۱) ان تمام تر اعلیٰ انسانی صلاحیتوں کی نشوونما، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کی ہیں اور جو اس کے خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہیں۔

(۲) ان تمام اعلیٰ انسانی اخلاق، عقائد اقدار و اعمال کی ترویج و تربیت جو قرآنی تعلیمات کے تقاضے ہیں اور جن کا عملی نمونہ رسول اللہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کی صورت میں موجود ہے۔ تا کہ ہر انسان ایک سچا، باعلم اور باعمل مومن بن سکے اور یہی پیغام دوسروں تک پہنچائے۔

(۳) دینی اور دنیاوی علوم وفنون کے تمام شعبوں میں فضیلت اور مہارت کا حصول جن کے ذریعے ہر شعبہ زندگی میں اعلیٰ کارکردگی، جرأت، جذبہ اور قائدانہ صلاحیتوں کا اظہار ممکن ہو۔ تا کہ ہر لحاظ سے ہم کسی سے پیچھے نہ رہیں، بلکہ ہر لحاظ سے تمام دنیا کی امامت کرسکیں اور تمام انسانوں کو ایک بہترین نظام زندگی دے سکیں۔

۳۔ فوری بنیادی اصلاحات

۷۔ ہمارے نظام تعلیم میں درج ذیل فوری اصلاحات کرنی چاہئیں، تعلیم ہمارے تمام صوبوں کی اول ترجیح ہونا چاہیے اور مرکزی حکومت کو بھی اس مسئلے کی سنگینی کا احساس ہونا چاہیں۔ ذیل میں خصوصاً شمال مغربی صوبہ سرحد کے حوالے سے چند اہم شعبوں کی نشاندہی بھی کر رہا ہوں جن میں فوری اصلاحات لانے کی ضرورت ہے۔ یہی اہداف صوبے کے مجوزہ تعلیمی کمیشن کے پیش نظر بھی رہنی چاہیے:۔

۸۔ اساتذہ کی تربیت: ۔صوبے میں ایک لاکھ سے زیادہ اساتذہ ہیں جو کہ ایک وقت میں تقریباً 22 لاکھ طلباء کو کم وبیش ۶۰ ہزار نجی و سرکاری تعلیمی اداروں میں پڑھا رہے ہیں۔ انتخاب و تربیت میں پچھلے کئی عشروں کی غفلت اور قواعد وضوابط کی خلاف ورزیوں نے ان اساتذہ کا مجموعی معیار ناقابل یقین حد تک گرا دیا ہے۔ جو کوئی کسی اور شعبے کے لئے موزوں نہیں نکلا، اس کو محکمہ تعلیم میں فٹ کر دیا گیا۔ اخلاق و کردار تو دور کی بات ہے، خالص پیشہ ورانہ کمزوریاں بھی صاف نظر آرہی ہیں۔ بورڈ کے امتحانات میں سرکاری اداروں کی کارکردگی نجی اداروں کے مقابلے میں بہت ہی کمزور ہے۔ ایسی بھی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ اسکولوں کا نتیجہ صفر فی صد ہے، یعنی میٹرک یا اعلیٰ ثانوی جماعت کے سالانہ امتحان میں کوئی بھی طالب علم کامیاب نہیں ہوا۔ صوبے میں یہ سب سے زیادہ اہم اور سب سے بڑا محکمہ ہے، جو پوری توجہ اور اصلاحات کا متقاضی ہے۔ کہتے ہیں اساتذہ معماران ملت ہیں۔ اور قومی وملی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ہڈی اب اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ چلنے پھرنے

ناجر ہے۔ اور مطلوبہ ذمہ داریوں کا بوجھ سہنے کے قابل نہیں رہی۔ اس لئے مندرجہ ذیل اقدامات فوری طور پر اٹھانا چاہئے:۔

(۱) دنیا کی عظیم تہذیبوں اور قوموں کی تاریخ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے، کہ ان کی تعمیر و ترقی میں ان کے نظام تعلیم اور اساتذہ کے کردار کو خصوصی اہمیت حاصل ہو۔ اس لئے انکی صف اساتذہ میں وہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کی تعلیمات سے دنیا آج بھی کسب فیض کر رہی ہے۔ لیکن قیام پاکستان کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ہم اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا وہ نظام قائم نہ کر سکے جو ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کے نظریات اور تقاضوں کے مطابق ہوتا۔ ہمارا موجودہ تربیتی نظام برطانوی نظام تعلیم کا تسلسل ہے، جس کا منتہا و مقصود اپنی شناخت اور صلاحیتوں سے عاری اور پختہ عقائد سے بے ضمیر صاف نسل پیدا کرنا ہے۔ حالانکہ کسی قوم و ملک کی مادی اور معنوی ترقی کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس قوم کے افراد اپنے ملک کے بنیادی نظریہ کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتے ہوں، اسی کے وفادار ہوں اور ان کی پوری زندگی اس کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوں۔ اس کے بغیر پوری قوم منافقین پر مشتمل ہوگی اور اس دنیا میں ترقی نہیں کر سکے گی۔ تمام جدید علوم پڑھائیں تمام جدید فنون، سائنس وٹیکنالوجی حتیٰ کہ نیوکلیر سائنس اور خلائی علم دیں۔ لیکن جب تک پاکستان میں نظریاتی تعلیم و تربیت نہیں ہوگی، ہماری کوئی پہچان اور مقصد حیات نہیں ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ ہم اب تک اسلامی نظام نہیں لا سکے اور مادی طور پر بھی پس ماندہ رہے۔ اس حالت کو اب بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں یہ بہت بڑی بنیادی کمزوری ہے کہ یہ ہمیں ہماری پہچان نہیں دیتا۔ ہمارا دینی وملی تشخص نہیں دیتا۔ ہمیں قومی وحدت نہیں دیتا ہمیں دینی و اخلاقی اقدار نہیں دیتا۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرقی پاکستان میں ہندو اساتذہ نے ہمارے مسلمان بچوں کو اپنے دھڑ سے جدا ہونے کے لئے تیار کر لئے اور ہمارا ایک بازو ہم سے کٹ گیا۔ ہمیں اس تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اس لئے اساتذہ کی تربیت کے لئے ایک بالکل نیا اور انقلابی نصاب چاہیے۔ اور اس نصاب کے مطابق اساتذہ کی تعلیم و تربیت کے لئے ماہر اساتذہ و ماہرین فن کی ایسی کھیپ تیار کرنی چاہیے جو جنون کی حد تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر مر مٹنے والے ہوں۔

Scanned with CamScanner

(۲) ایک جامع تربیتی پروگرام ترتیب دینا چاہیے۔اور تقریباً سارے موجودہ اور نئے بھرتی ہونے والے اساتذہ کو ایک خاص ترتیب سے اور نئے سرے سے مختلف کورسز کرانے چاہیے۔جس کا مقصد یہ ہو کہ اساتذہ کو جدید پیشہ ورانہ علم، جدید طریقہ ہائے تعلیم و تدریس، دین اسلام، اخلاق و عادات و معمولات، کمپیوٹر اور جنرل نالج سے متعلق مرحلہ وار تربیت ملے۔تربیت دینے والے نئے و پرانے مستند اساتذہ کرام ہوں- جو تمام مطلوبہ سہولتوں سے مزین تربیتی اداروں (جیسے ایلیمنٹری کالجز) وغیرہ میں یہ تربیت دینے پر مامور ہوں۔ہر کورس کا ایک منظور شدہ سلیبس ہو اور ہر کورس کے بعد اساتذہ کے بارے میں حقیقت پسندانہ رپورٹیں بنیں-جن کے روشنی میں ان کی اگلی پوسٹنگ اور ٹرانسفر ہو۔کئی اساتذہ اداروں کے چلانے کی قابلیت زیادہ رکھتے ہیں، ان کی بھی پہچان ہو جائے اور جو تدریس کے لئے موزوں ترین ہیں وہ بھی ظاہر ہو جائیں۔دونوں ہی ہماری ضرورت ہیں۔یہ کام ظاہر ہے۔کئی سالوں پر محیط ہوگا۔جنگی بنیادوں پر ہوگا اور بلا استثنیٰ ہوگا۔صوبے کے منتظمین کو ذاتی طور پر سب سے زیادہ دلچسپی اسی کام میں ہونی چاہیے۔بیچ کے دوروں کے علاوہ ہر کورس کے افتتاح اور اختتام پر وہاں موجود ہونا چاہیے۔تاکہ اساتذہ کی حوصلہ افزائی کریں، ان سے مشورے لیں اور اس سلسلے کی مزید اصلاح کریں۔میں اساتذہ کی اہمیت ایک سادہ سی تمثیل سے اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''ایک شخص مطالعے میں مصروف تھا، پاس ہی اس کا بچہ کھیل رہا تھا۔بچے نے جب غل مچانا شروع کیا تو اس نے بڑی ملاطفت سے کہا''دیکھوں بیٹے ہم پڑھ رہے ہیں شور مت کرو''بچہ خاموش ہو گیا، لیکن زیادہ دیر ضبط نہ کر سکا۔پھر جب ادھم مچانے لگا تو باپ کو ایک ترکیب سوجھی۔اس نے میز پر سے ایک پرانے اخبار کا ورق اٹھایا جس پر دنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا۔اسے پرزے پرزے کر کے بچے کے حوالے کر دیا اور کہا''لو بیٹا! اسے برابر والے کمرے میں لے جاؤ اور اسے پھر سے جوڑ لاؤ''بچہ جب چلا گیا تو باپ نے بڑے اطمینان کا سانس لیا اور کہا چلئے تین چار گھنٹے کا دردسر تو ختم ہوا۔لیکن حیرت کی انتہا نہ رہی، جب بچہ پندرہ بیس منٹ بعد دوڑتا ہوا آیا اور بڑے فخر سے کہنے لگا''ابو نقشہ ٹھیک ہو گیا'' باپ نے نقشے پر نظر ڈالی: پہاڑوں کے سلسلے، دریاؤں گزرگاہیں، شہروں کے محل وقوع سب اپنے اپنے مقام پر درست پائے۔پوچھنے لگا''بیٹا تو نے یہ کیا کرشمہ دکھایا''بیٹے نے جواب دیا''ابو یہ بڑا آسان

کام تھا، اس نقشے کی دوسری جانب اتنی بڑی انسانی تصویر تھی۔میں نے انسانی تصویر جوڑ دیا تو دنیا کا نقشہ آپ ہی آپ جڑ گیا'' یعنی آپ استاد کا مرتبہ اور وقار بحال کر دیجئے اور ان کا انتخاب و تربیت ٹھیک کر دیجئے تو تعلیم میں ضیاع، تعلیم پر اٹھنے والے مصارف کا مسئلہ اور عملی زندگی میں تعلیم کی افادیت کا چیلنج خود بخود درست ہو جائے گا۔ابتدائی سطح سے اعلیٰ ترین تک ہر قسم کے بدعنوانی اور ضیاع کا مشاہدہ کرتے ہیں کہیں بدعنوانی تعلیم کے مراحل میں ہے اور کہیں استاد کی غیر موجودگی کے باعث طلبہ کے وقت کا ضیاع ہے، جبکہ کہیں طلبہ کے جذباتی رویوں کی بنا پر جامعات، مدرسوں اور کالجوں میں ویرانی ہی ویرانی ہے۔ظاہر ہے معمار ہی ٹھیک نہیں تو عمارت کیسے اچھی ہو سکتی ہے۔

(۳) جو اساتذہ اتنے کمزور ہوں کہ وہ ان تربیتی سلسلوں کے بعد بھی معیار پر پورے نہ اتریں۔تو ان کا بہت ہی بڑا احسان ہوگا کہ وہ قوم کا مستقبل مزید داؤ پر نہ لگائیں اور باعزت طور پر کوئی اور مناسب کام کر لیں۔میرے خیال میں بہت سے ایسے اساتذہ ملیں گے جن کو نا اہل قرار دیا جائے گا۔تطہیر کا یہ عمل بہر حال ناگزیر ہے۔ہمیں یہ ہر صورت میں کرنا پڑے گا۔

(۴) تمام اساتذہ کا ایک کمپیوٹر ڈیٹا بیس بنانا چاہیے۔جس میں اساتذہ کے متعلق وہ تمام تفصیلی معلومات شامل ہوں، جو ان کے تربیت، پیشہ ورانہ قابلیتیں، پوسٹنگ و ٹرانسفر، عملی کارکردگی صلاحیتیں و رجحانات، سالانہ رپورٹیں و سفارشات، ویلفئر، ریٹائرمنٹ و پنشن، تنخواہ و الاؤنسز اور ذاتی و خاندانی معلومات سے متعلق ہوں۔تاکہ کسی بھی استاد کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے تمام ضروری معلومات ضلعی و صوبائی دفاتر میں انگلی کے ایک اشارے پر موجود ہوں اور شفاف و صحیح فیصلے کیئے جا سکیں۔

اساتذہ کی سروس کے مسائل اور کارکردگی:۔

یہ کام ہماری دوسری ترجیح ہونی چاہیے۔اساتذہ کی گریڈوں، تنخواہوں، الاؤنسز اور مادی سہولیات کے بارے میں بہت سی شکایات ہیں۔ان تمام مسائل کا فوری حل ڈھونڈنا چاہیے۔کیونکہ ان شکایتوں کی وجہ سے اساتذہ کی کارکردگی پر فرق پڑتا ہے۔ہماری از حد کوشش ہونی چاہیے کہ ان شکایتوں سے تمام مسائل اساتذہ کے اطمینان کے مطابق حل ہو جائیں۔ساتھ ساتھ یہ پالیسی بھی بنائی

Scanned with CamScanner

چاہیے کہ اساتذہ کی کارکردگی کی بھی ہمہ وقت نگرانی monitoring کی جائے، تاکہ قوم جو کچھ ان کو دے رہی ہے، اس کے صلے میں وہ قوم کے بچوں کو صحیح معنوں میں تعلیم و تربیت بھی دے رہے ہیں یا نہیں؟ غیر اخلاقی، غیر انسانی، خلاف دین اور پیشہ ورانہ تمام سرگرمیوں کا نوٹس لینا اور فوری انضباطی کاروائی کرنا ہمارا فرض ہے، تاکہ صرف چند اصحاب کی بداعمالیوں کی وجہ سے پورا طبقہ بدنام نہ ہو اور اساتذہ بعینہ اپنے قوم و طلباء کے لئے رول ماڈل بن جائیں۔ ہمیں اس سلسلے میں کسی مصلحت کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ معیار کو قائم رکھنا اور مزید بہتر کرنا ہمارا اشعار ہونا چاہیے اور اسی طرح ہمیں قوم کی امانت کا محافظ ہونا چاہیے۔

۱۰۔ اساتذہ کا انتخاب :۔ اساتذہ کا انتخاب ایک بنیادی اور اہم ترین معاملہ ہے۔ ایسے اساتذہ کا انتخاب ہونا چاہیے جو دین و اخلاقِ حسنہ کے سراپا ہوں، تاکہ تعلیمی اداروں میں دینی و اخلاقی ماحول پیدا ہو۔ اور طلباء از خود اس رنگ میں رنگے جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے موجود قواعد و ضوابط پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔ یہاں مقصد صرف صوبے میں آسامیاں پر کرنا نہیں بلکہ قوم کے مستقبل کو تعمیر کرنے کے لئے معیاری معماروں کی ضرورت ہے۔ اس اصول پر کسی قسم کا مصلحت کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

۱۱۔ نصاب اور ہم نصابی سرگرمیاں :۔ اساتذہ سے متعلق مسائل کے بعد دوسرے نمبر پر جو مسئلہ ہماری فوری توجہ کا مرکز ہونا چاہیے وہ یہی نصاب اور ہم نصابی سرگرمیاں ہیں۔ نصاب کا مسئلہ کلی طور پر صوبائی نہیں ہے، مرکزی حکومت کے ساتھ مشترکہ ہے۔ جو ایک لحاظ سے اچھی بات ہے۔ تاکہ پورے ملک میں ایک ہی نصاب رائج ہو۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ اب بھی اصلاحات کی وسیع گنجائش ہے۔ اور اس پر بڑے تفصیل سے کام کرنیکی ضرورت ہے۔ اس مضمون میں اس مسئلے کا کما حقہ، احاطہ نہیں کیا جاسکتا، بحر حال چند بنیادی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہوں، تاکہ مسئلے کے سنگینی اور اصلاحات کی ضرورت کا احساس ہوجائے:۔

(۱) ہمارا موجودہ نصاب اور ہم نصابی سرگرمیاں طلباء کو صرف لکھنا پڑھنا اور سرٹیفیکیٹ و ڈگری لینے میں تو مدد دیتی ہیں۔ لیکن علم و تربیت نہیں دیتی۔ اگر ایک آٹھویں کلاس کا طالب علم اردو و انگریزی میں لکھنا

اور پڑھنا سیکھ لے۔ تو وہ رٹا لگا کر دسویں کلاس کے امتحان میں "A" گریڈ میں کامیاب ہوسکتا ہے کیونکہ امتحانی سوالات کتاب میں دیئے گئے سوالات ہی میں سے ہوتے ہیں، باہر سے آہی نہیں سکتے گو کہ وہ نصاب کے مطابق ہوں، اس لئے آسانی کے ساتھ رٹا لگایا جاسکتا ہے یا نقل کے ذریعے کام نکالا جاسکتا ہے۔ علم و تربیت بے شک نہیں ہوگی، لیکن میٹرک کا سرٹیفکیٹ تو ہوگا۔ پاکستان میں بس یہی کافی ہے۔ اساتذہ بھی خوش، والدین بھی خوش اور حکومت بھی مطمئن۔ میرے نزدیک یہ صورت کسی حالت میں قابل قبول نہیں، اس کو مکمل طور پر بدلنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کے مطابق "تعلیم کا تغیر پذیر پہلو جہاں بہت اہم ہے وہاں اسکی غیر تغیر پذیر بنیاد اس سے بڑھ کر اہم ہے تعلیم کی غیر مبتدل بنیاد انسان کی سرشت، اس کے مقصد تخلیق اور رب کائنات کی تبدیل نہ ہونے والی سنت میں پیوست ہے۔ پاکستان میں ہر دو پہلو نظر انداز ہوتے چلے آئے ہیں اور آج ہم ایک بے مقصد، سطحی اور بے سمت نظام تعلیم کی ہچکولے کھاتی کشتی میں بے ہنگم انداز میں ڈوب رہے ہیں۔ یہ صورت حال تعلیمی فکر اور خاص طور پر نصابی فکر میں ایک انقلابی اقدام کی متقاضی ہے۔ دور جدید کے اسلامی معاشرے میں پلنے والے بچوں کو ایک ایسے نصاب اور تعلیمی و تربیتی لائحہ عمل کی ضرورت ہے جو انہیں صاحب فراست مومن، سیف و قلم سے مسلح جری مجاہد اور تمام جدید علوم و فنون کا ماہر، متقی اور دانشور بنا دے" مجھے امید ہے آپ سب بھی ان کے ان خیالات سے متفق ہوں گے۔ لیکن افسوس! ہمارا موجودہ نصاب کسی صورت میں یہ مقصد پورا نہیں کرتا۔ ایک بالکل نئے نصاب کو تشکیل دینے کی فوری ضرورت ہے۔ جو جدید و معیاری ہو، اسلامی ہو اور اس کے تمام رگوں اور خلیوں میں اسلامی خون ہی دوڑتا ہو۔

(۲) طلباء میں تحقیقی اور تجزیاتی عادات پیدا کرنی ہیں۔ اس کے لئے نئے نصاب میں ایسی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی، کہ طلباء پرائمری سطح ہی سے مشاہدہ، تجزیہ اور تحقیق و تدبر کی طرف آمادہ ہو جائیں اور مفید نتائج اخذ کرنے کی عادت ڈالیں۔ حتیٰ کہ جب یہ اعلیٰ جماعتوں میں پہنچ جائیں تو یہ عادات پختہ ہو چکی ہوں۔ اور وہ سوچنے سمجھنے والے اور مزید آگے بڑھنے والے پراعتماد مجاہد انسان بن سکیں۔

Scanned with CamScanner

(۲) طلباء میں اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ ہمارے ہاں ایک عجیب روش چل رہی ہے۔ کہ طلباء جتنا پڑھ لکھ جاتے ہیں اتنا اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ یہ سنت نبوی کے خلاف ہے اور عملی زندگی میں بھی بہت ہی گراں بار ثابت ہوتا ہے۔ … بڑی ضرورت ہے کہ شروع ہی سے طلباء سے عملی کام کرائے جائیں مثلاً زراعت میں پودوں کی دیکھ بھال، زراعتی کاروائیاں، … ، … کی دیکھ بھال … معاشرتی … سے … اس طریقے سے جو علم … حاصل ہوگا وہ عملی زندگی میں بہت ہی مفید ہوگا اور طلباء میں 50 فیصد سے زیادہ کی … ختم کر دے گا۔ … علم بغیر عمل کے … مفید ہے اور مفید علم … عمل کے ساتھ ہونے پر سہاگہ ہے جو ہمیں مطلوب ہے۔

۱۲. نئے نصاب کے عمومی مقاصد : نصاب کے سلسلے میں پہلے یہ تعین ہونا چاہیے کہ یہاں تمام … رائج کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے سے تعلیم کے مقاصد کو حاصل کیا جا سکے۔ اس میں تدریسی مقاصد کے حصول کیلئے مجوزہ سرگرمیاں، نصابی کتب، تدریس کے طریقے اور جائزہ شامل ہیں۔ عام طور پر تعلیمی اداروں میں نصابی کتب کو ہی نصاب سمجھ کر تمام تر توجہ انہی کے پڑھانے پر مرکوز ہوتی ہے۔ یہ تصور بہت محدود ہے کیونکہ اس میں نصاب کے اہم اجزاء کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس طرح تعلیم و تدریس کا سارا عمل نامکمل، ناقص اور غیر متوازن ہو جاتا ہے۔ اس لئے نصاب کو ترتیب دیتے وقت درج ذیل عمومی مقاصد کے حصول کی کوشش کی جانی چاہیے (ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک (مرحوم) مجوزہ تعلیمی نصاب سے اکتساب کرتے ہوئے)۔

(۱) ابتدائی سطح کے عمومی مقاصد (کلاس ۱۔۵)

- دین اسلام کی ضرورت بنیادی معلومات کا حصول اور ایک باعمل مسلمان کی حیثیت سے ضروری عادات و مہارات کا اکتساب۔
- ایک مسلمان اور امت مسلمہ کے رکن کی حیثیت سے معاشرتی ذمہ داری اور اجتماعی شعور کی نشوونما۔
- اسوۂ حسنہ کی روشنی میں شخصی اخلاق و کردار کی تشکیل مثلاً آداب مجلس، آداب آمد و رفت، آداب تلاوت قرآن، آداب مسجد وغیرہ۔

… کے ساتھ … گھر میں … دوسروں … کے ساتھ … کی عادت کی نشوونما۔

… کے … عادت کی پرورش۔

… احترام کرنے کی عادت کی پرورش۔

… سے … کی عادت کی نشوونما۔

… شعور کی نشوونما۔

… شعور کی نشوونما کہ مسلمان دنیا کی … استعمال کیلئے … ہیں اور … کی ذمہ داری ہے۔

… وسائل کو اللہ کی نعمت تصور کرتے ہوئے ان کا تحفظ کرنے کے جذبے کا حصول۔

… کی نشوونما اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ ہی کی حسن و جمال کا خالق ہے … ۔

[illegible]

… خود شناسی اور خود انحصاری کی عادت کی نشوونما۔

… دنیا کے تاریخی اور جغرافیائی معلومات سے واقفیت کے ساتھ اسلاف کے کارناموں سے …

[illegible]

… مؤثر ابلاغ کی صلاحیت کا حصول۔

… تعلیمات کی روشنی میں صحت مند اور پاکیزہ زندگی کی صلاحیت کا حصول۔

… تعلیم کے لئے ضروری صلاحیتوں یعنی خواندگی، زبان دانی (اردو اور عربی) اور بنیادی حساب …

… سے متعلق مہارتوں کا حصول۔

… پاکستان سے آگاہی اور اسلام کی سرزمین پاکستان سے گہری محبت کا حصول۔

… انفرادی اور اجتماعی امور سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری مہارتوں کا حصول …

… معاشرتی اداروں سے واقفیت۔

… ثانوی سطح کے عمومی مقاصد (کلاس ۶۔۸)۔

… زبانوں یعنی عربی اور اردو میں تحریر و گفتگو اور فہم نثر و نظم کا اطمینان بخش … حاصل کرنا

[illegible]

ہو۔انگریزی زبان سے بنیادی واقفیت حاصل ہوگئی ہو۔

- قرآن مجید وسنت اور سیرت کا اس درجے تک کے لئے ضروری حصہ فہم وتدبر سے پڑھ چکا ہو اور عمل کی سطح پر ان پر باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ عمل پیرا بھی ہو۔
- اسلامی تہذیب وتمدن کے تناظر میں پاکستانی ثقافت وتاریخ اور جغرافیائی ماحول سے کماحقہ، واقفیت رکھتا ہو۔
- سائنس اور ٹیکنالوجی کے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق مقامی ماحول میں سائنس اور ریاضی کی ضروری معلومات اور مہارتوں سے واقفیت رکھتا ہو۔کمپیوٹر کا سادہ استعمال اچھی طرح جانتا ہو۔
- دور جدید کے عملی طریقہ کار یعنی تجربہ، مشاہدہ اور سائنسی طرز فکر ابتدائی مہارتوں سے واقف ہو اور ان کی محدودیتوں کا ابتدائی ادراک بھی رکھتا ہو۔
- مسلمانوں کے تاریخی ادوار اور ان کے عمومی واقعات سے واقفیت رکھتا ہو۔
- صحت کے اصولوں اور جسمانی نشو ونما کے تقاضوں سے واقف ہو اور ان پر عمل پیرا بھی ہو۔
- ابتدائی جماعتوں کے تسلسل میں عسکری تربیت کے ابتدائی مدارج یعنی جسمانی نظم وضبط، فوری تیاری اور جسمانی ورزش وغیرہ سے متعلق مختلف سرگرمیوں پر عمل پیرا ہو۔
- مقامی وجدید حرفتوں میں سے کسی ابتدائی مہارتوں کو عملاً سیکھ چکا ہو اور کوئی نہ کوئی مفید اور پیداواری کام کرنے کا اہل ہو۔
- اسلامی معاشرتی عادات وآداب اور میل جول کے طریقوں پر عمل پیرا ہو۔
- خیر وشر کی تمیز، خیر کو بڑھانے اور شر کو ختم کرنے کا جذبہ رکھتا ہو اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے کوشاں ہو۔
- مسلسل علم حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہو اور اس کے لئے تگ ودو کرتا ہو۔نیز اضافی مطالعے کا شوق رکھتا ہو۔
- ملت اسلامیہ، اسلامی شعائر اور اقتدار سے محبت رکھتا ہو۔

(۳) ثانوی سطح کے عمومی مقاصد (کلاس ۹۔۱۰):۔

- تینوں زبانوں یعنی اردو، انگریزی اور عربی میں نظم ونثر کے فہم عملی ضروریات کے مطابق تحریری صلاحیتوں کی تکمیل کر چکے ہوں۔
- قرآن وحدیث اور فقہ کا اتنا علم حاصل کر چکے ہوں کہ اپنی زندگی کو اسلامی نظام حیات کے مطابق ڈھالنے کے ساتھ ساتھ اسلامی دعوتی سرگرمیوں میں موثر حصہ لے سکیں۔
- پاکستان کے نظریہ، تحریک اور تاریخ کی اطمینان بخش معلومات کے ساتھ اسلامی تناظر میں قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ سے واقف ہوں۔
- وہ طلبہ جو سائنسی نوعیت کے انتخابی مضامین اختیار کریں وہ انسانی تہذیب وتمدن اور اسلامی تناظر میں قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ سے واقف ہوں۔
- وہ طلبہ جو ادبی اور سماجی علوم کی نوعیت کے انتخابی مضامین اختیار کریں وہ روزمرہ سائنس اور اپنے ماحول کی پروری معلومات اور ان سے ہم آہنگی کی صلاحیت حاصل کر لیں۔
- صحت کے اصولوں، جسمانی نظم وضبط کے طریقوں، شہری دفاع اور ابتدائی عسکری مہارتوں سے واقف ہوں۔
- اعلیٰ تعلیم کے حصول یا پیشے کے انتخاب کی غرض سے مضبوط بنیاد فراہم کرنیکے لئے کسی ایک پیشہ کی ابتدائی معلومات اور مہارتیں حاصل کر چکے ہوں۔
- کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی سے پوری طرح واقف ہوں۔اور اس فیلڈ کے کسی نہ کسی شعبے میں ضروری مہارت حاصل کر لیں۔

(۴) اعلیٰ ثانوی سطح کے عمومی مقاصد (کلاس ۱۱۔۱۲):۔

- تحریر وتقریر میں اور ابلاغی نگاہ سے طالب علم اردو اور عربی زبان پر پوری دسترس رکھتا ہو۔انگریزی اور مقامی زبانوں کو بطور ایک Optional مضمون کے پڑھنے والے ان زبانوں پر پوری دسترس رکھتے ہوں۔
- قرآن وحدیث اور سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کر چکا ہو اور ان کے فہم کے لحاظ سے اس درجہ پر ہو کہ درس قرآن اور درس حدیث دے سکتا ہو۔نیز روزمرہ زندگی میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلام کی

Scanned with CamScanner

منشا ئے کما حقہ، واقف ہو۔

- پاکستان اور اسلامی دنیا کی تاریخ، معاشی، معاشرتی حالات اور بین الاقوامی تناظر میں پاکستان اور اسلامی دنیا کی اہمیت کا شعور اور تنقیدی سطح پر معاملات کا فہم ادراک رکھتا ہو۔
- شہری دفاع اور جنگ کے دوران ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے ضروری عسکری ذمہ داریاں پوری کر سکتا ہو۔
- مسائل و معاملات کا سائنسی طرز فکر کے ساتھ تجزیہ کر سکتا ہو اور مناسب فیصلہ کی اہلیت حاصل کر چکا ہو۔
- اسلامی نظام حیات کے ساتھ جذباتی لگاؤ کے ساتھ ساتھ ایک باعمل مسلمان کی حیثیت سے اپنی شخصیت کی نشو و نما کر چکا ہو۔
- اسلامی غیرت و حمیت کے جذبات کے ساتھ پوری انسانیت کے لئے خیر کے جذبات اپنے اندر پیدا کر چکا ہو۔
- معاشرتی آداب، باہمی تعلقات، لین دین اور اخلاق میں اسلامی نظریہ حیات کا ایک قابل قبول نمونہ نظر آئے۔
- ایسی نظر مفید فنی و حرفتی مہارتیں اور معلومات حاصل کر لے جو اسے معاشرے کا ایک پیداواری رکن بنا دیں۔
- عمومی یا پیشہ ورانہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ضروری اساسی معلومات اور مہارتیں حاصل کر لے۔
- کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے کم از کم کسی ایک شعبے میں مکمل مہارت حاصل کر لے۔

(۵) جامعاتی سطح کے عمومی مقاصد: یہ بذات خود ایک وسیع مضمون ہے، اس پر الگ سے اظہار خیال کیا جائیگا۔ لیکن بہرحال اگر ابتدا سے ہی علمی بنیادیں پہلے سے استوار ہو چکی ہوں گی تو اس سطح پر اب صرف ان مظبوط بنیادوں پر خوبصورت عمارات تعمیر کرنا ہوں گے۔ جو نسبتاً آسان ہوگا۔

باقی آئندہ

علمی، عملی و روحانی دنیا کا حادثہ

حضرت العلامہ مولانا فضل الٰہی شاہ منصوریؒ کا سانحہ ارتحال

مفتی ذاکر حسن نعمانی

یہ دنیا حضورؐ کے سچے ورثاء کی وجہ سے آباد ہے۔ ان کی بقاء کی وجہ سے دنیا کی بقا ہے۔ ان کی فنا دنیا کی فنا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ عالِم کی موت عالَم کی موت ہے۔ حضورؐ کے سچے اور صحیح ورثاء کی قدر اور مقام کو وہی لوگ جانتے ہیں جن کا دین اور علم دین کے ساتھ کسی درجہ میں تعلق ہو۔ علماء کا وجود دنیا میں ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ بڑی نعمت کا زوال بہت بڑا حادثہ ہوتا ہے۔ لیکن کیا کریں قدرت کا قانون ہے۔ دنیا کی ہر چیز زوال پذیر ہے۔ ہر چیز کو فنا ہے۔ باقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ گزشتہ رمضان المبارک میں ایک بہت بڑی علمی عملی اور روحانی شخصیت اپنی حیات مستعار کی چھیاسی (۸۶) بہاریں اللہ تعالی کی رضا میں صرف کر کے ہم سے بچھڑ گئے۔ یہ تھے حضرت العلامہ مولانا فضل الٰہی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ ۱۹۱۶ء کو مولانا سرور شاہؒ کے ہاں شاہ منصور میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد ناظرہ قرآن مجید و ابتدائی دینی کتب اپنے والد ماجد مولانا سرور شاہؒ کے ساتھ پڑھیں۔

درس نظامی کی اہم کتب اپنے وقت کے استاد الکل فی الکل حضرت العلامہ مولانا حبیب اللہ زروبوی والد ماجد شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ سے پڑھیں۔ حضرت العلامہ مولانا حبیب اللہ اپنے وقت کے مشور و معروف اور راسخ فی العلم مدرس تھے۔ طلباء کو سبق زبانی پڑھاتے تھے۔ اتنے مصروف رہتے کہ بعض طلباء کو مسجد سے گھر تک جاتے ہوئے راستے میں سبق پڑھاتے تھے۔ اس لئے کہ ان طلباء کو مسجد میں پڑھانے کا وقت دیگر طلباء کی وجہ سے نہ ملتا تھا۔ حضرت مولانا فضل الٰہیؒ دوران درس اپنے محبوب استاد مولانا حبیب اللہ کا تذکرہ بہت کرتے تھے۔ فرماتے استاد صاحب یوں فرماتے تھے۔ سبق کے دوران علمی اصطلاحات کی بڑی دل نشیں اور آسان فہم تشریح فرماتے جس کی وجہ سے سبق کی تفہیم بہت آسان ہو جاتی۔ ان کے سبق سے مجھے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ ایک دن احقر نے سبق کے بعد حضرت الاستاد مولانا فضل الٰہی صاحب سے سوال کیا کہ حضرت یوں معلوم ہوتا

ہے کہ تمام علوم وفنون چند بڑے بڑے مسائل ہیں - ان کی سمجھ آ گئی تو پھر علم آسان ہے تو یک دم فرمانے لگے جی ہاں استاد صاحب (مولانا حبیب اللہ) فرماتے تھے کہ علم کے تو اتنے مسائل ہیں جیسے ایک بھری ٹوکری بس وہ یاد کرلو تو علم حاصل ہو جائے گا - مراد یہ تھی کہ ہر علم وفن کی کچھ اصطلاحات ہوتی ہیں طالب علم اگر ان کو اچھی طرح سمجھ لے تو وہ علم از بر ہو جاتا ہے - انسان کے اندر علم کے افہام و تفہیم کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے -

صوابی کے گاؤں زروبی کے بعد علاقہ چھچھ کے گاؤں تاجک میں مشہور زمانہ مدرس وعالم مولانا عبدالحنان صاحب جو حضرت العلامہ تاج المحدثین مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگرد تھے ان سے مختصر المعانی اور مطول پڑھی - بعد ازاں ضلع مردان کے گاؤں طورو (جو کسی زمانہ میں علم کا بخارا کہلاتا تھا) میں علم کے سمندر مولانا سمندر خانؒ سے حکمت کی کتاب صدرا اور دیگر کتب پڑھیں - موقوف علیہ کی کتابیں واپس اپنے گاؤں آ کر مولانا عبدالرازق (سسر حضرت مولانا شمس الھادی برادر اصغر مولانا فضل الٰہی) سے پڑھیں - دورہ حدیث کے لئے ۱۹۴۸ء میں علاقہ چھچھ کے مشہور علاقہ غورغشی میں شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا نصیر الدین غورغشتوی کے پاس تشریف لائے - حضرت مولانا نصیر الدین اپنے وقت کے بہت بڑے محدث تھے - مشکوٰۃ شریف پر ان کا مشہور علمی حاشیہ موجود ہے - سنا ہے کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند والوں نے آپ کو مسند حدیث پر بیٹھنے کی پیش کش کی تھی - اس سے اندازہ لگائیں کہ مولانا نصیر الدینؒ کس پائے کے محدث تھے - آپ کے بڑے بڑے محدثین شاگرد اب بھی بقید حیات ہیں - شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ اکوڑہ خٹک اور شیخ الحدیث مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم شیر گڑھ آپ کے شاگرد ہیں - مولانا محمد احمد صاحب مولانا فضل الٰہی کے دورہ حدیث کے ساتھی بھی ہیں -

تدریس - مولانا فضل الٰہیؒ نے جب ۱۹۴۸ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی تو تدریس کا آغاز اپنے گاؤں شاہ منصور ضلع صوابی سے کیا - ۱۹۵۹ء تک اپنے گاؤں میں تدریس کی - ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۳ء تک رستم (ضلع مردان) میں تدریس کی - 1963ء سے 1981ء تک جامعۃ العلوم اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں تدریس کی - یہاں کے شیخ الجامعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید بادشاہ گلؒ کی عادت

تھی کہ نامور علماء کو اپنے ہاں تدریس کے لئے مواقع فراہم کرتے تھے - چنانچہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صدر المدرسین مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی یہاں تدریسی خدمات سرانجام دی ہیں - جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید، حضرت العلامہ مولانا شمس الھادی اور حضرت العلامہ مولانا فضل الٰہیؒ وغیرہم جیسی علمی اور روحانی شخصیتیں یہاں بیک وقت موجود تھیں - مولانا فضل الٰہیؒ کے بھتیجے اور مولانا شمس الھادی کے برخوردار حال شیخ الحدیث ومفتی اعظم آفریقہ دارالعلوم زکریا جو ہانس برگ، مولانا مفتی رضاء الحق مدظلہ نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ اکوڑہ خٹک میں دورہ حدیث تک تعلیم حاصل کی - مولانا فضل الٰہیؒ ۱۹۸۱ء میں تدریس کے لئے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے - یہاں آپ نے ۱۹۹۶ء تک اونچے درجے کی کتابیں پڑھائیں - اس دوران احقر کو بھی آپ کی شاگردی کی سعادت نصیب ہوئی - بندہ نے آپ سے شرح جامی، ملا جلال، میبذی اور جلالین پڑھی - شرح جامی اگر چہ شیخ الحدیث مولانا اسید اللہ ہزاروی سے پڑھ چکا تھا - لیکن مولانا فضل الٰہی کی شرح جامی میں شہرت بہت زیادہ تھی - اس لئے جس سال مطول جامع المنقول والمعقول شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ مدظلہ سے پڑھ رہا تھا - اس سال شرح جامی دوبارہ مولانا فضل الٰہیؒ سے پڑھی اور بڑی تیزی کے ساتھ آپ کی تقریر اردو زبان میں لکھا کرتا تھا - معرب کی پوری تقریر پورے تفصیلات کے ساتھ لکھ لی - لیکن افسوس کہ وہ کاپی ضائع ہوگئی -

۱۹۹۶ء میں مولانا فضل الٰہیؒ حقانیہ سے مستعفی ہو کر گاؤں چلے گئے - اور درس کا سلسلہ شروع کر دیا - آپ اور آپ کے بھائی مولانا شمس الھادی دونوں مل کر موقوف علیہ اور دورہ حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے - ان دوروں کے علاوہ فنون کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے - وفات سے پانچ دن قبل بیمار ہونے تک الفیہ پڑھا رہے تھے - گاؤں میں آخری چھ سالوں تک کافی طلباء کو علمی فیض پہنچایا -

انداز تدریس - آپ کا انداز تدریس بہت آسان فہم تھا - ہر طالب علم مستفید ہو سکتا تھا - تفہیمی انداز کے علاوہ آپ کے اسباق میں برکت اور روحانیت زیادہ ہوتی تھی - ہم نے سبق میں کبھی محسوس نہیں کیا کہ کتاب میں کوئی مشکل مقام آیا اور آپ نے گول مول کر دیا - اور نہ یہ کبھی محسوس کیا کہ آپ

Scanned with CamScanner

کے لئے کتاب میں کوئی مشکل مقام بھی ہے۔ ہر سوال کا جواب بھی بڑی بشاشت کے ساتھ دیتے تھے۔ درس ختم ہونے کے بعد جب آپ کے ساتھ قیام گاہ تک جاتا اور راستے میں سوال کرتا تو رک کر پوری طرح میری طرف متوجہ ہو جاتے اور ایسا تسلی بخش جواب دیتے کہ اس کے بعد کسی قسم کی تشنگی محسوس نہ کرتا۔ یوں تو ہر فن میں ماہر تھے لیکن علم النحو میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ میری اس بات پر ان سے شرح جامی پڑھنے والے سب گواہ ہیں۔ اسباق میں بڑی بڑی کتب کا حوالہ بھی دیتے تھے۔ دوران درس اپنے استاد صاحب (مولانا حبیب اللہ زرویوی) کے حوالہ سے فرمایا کرتے تھے کہ کوئی استاد اگر طلباء کو کوئی مقام نہ سمجھا سکے تو اس کا مطلب یہ ہے یہ استاد خود اس مقام کو نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ ایک استاد اگر کتاب اور فن پر پوری طرح حاوی ہے اور اس کا صحیح فہم رکھتا ہے تو وہ اپنے شاگردوں کو بیسیوں طریقے سے سمجھا سکتا ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک استاد ایک مقام کو سمجھ گیا ہے اور پھر وہ شاگردوں کے ذہن نشین نہ کرا سکے۔

آپ کے درس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی۔ غرض مصنف، غرض شارح اور غرض مقام بیان کرتے تھے۔ اور یہ خوبی اپنے استاد صاحب مولانا حبیب اللہ زرویوی سے سیکھی تھی۔ فرماتے تھے کہ سبق شروع ہوتے وقت استاد صاحب کسی طالب علم سے عبارت پڑھواتے۔ پھر فرماتے غرض بیان کرو تو عبارت پڑھنے والا طالب علم اپنے استاد صاحب اور سب طلباء کرام کے سامنے بہت بڑے امتحان میں پڑ جاتا۔ فرمایا کہ ایک دن حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی مدرس حقانیہ کے ماموں حضرت مولانا عبدالوحید قاسمی فاضل دیوبند جو تبحر علمی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو اور پشتو زبان کے بہترین شاعر تھے۔ سبق شروع ہونے سے قبل مجھے کہنے لگے آج کس کی شرم کی باری ہے۔ یعنی آج کون عبارت پڑھے گا۔ پورا سال پورے اسباق میں دل جمعی اور بشاشت رہتی تھی۔ اور مقررہ حصہ یا کتاب پوری ختم کرتے۔ ہم نے کبھی سبق میں محسوس نہیں کیا کہ آج دل و دماغ زبان کا ساتھ نہیں دے رہے۔ یا بور بور نظر آ رہے ہیں۔ عبارت میں کبھی لفظ اصلاً آتا تو فرماتے کہ لوگ اس کا ترجمہ کر کے آگے نکل جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ حضرت موصوف اس لفظ کی مختلف شقوق کے ساتھ مقام کے مناسب تشریح فرماتے۔ کبھی اپنے استاد صاحب کے یاد کئے ہوئے نکات بھی بیان کرتے۔ عبارت میں بعض

الفاظ پر مختلف اعراب جاری ہوتے ہیں۔ تو اس کے ساتھ ناکتین نکتہ لگاتے ہیں۔ معاً حالانکہ ممکنہ اعراب ایک وقت میں ممکن نہیں تو معاً کا کیا مطلب۔ فرمایا کہ استاد صاحب فرماتے تھے کہ مکتوب جب غیر مقروء ہو تو مختلف اعراب آ سکتے ہیں۔ جب اس کو پڑھ لیا تو اب زبان پر ایک ہی اعراب آئے گا۔ فرمایا کہ استاد صاحب جب ناکت کے غلط نکتہ کی نشان دہی فرماتے تو ساتھ کہہ دیتے ہداک اللہ اگر نکتہ صحیح ہو تو فرماتے جزاک اللہ۔ استاد صاحب کے حوالہ سے فرمایا کہ زیدٌ علمٌ کیوں غلط ہے۔ بعض تو صرف اتنا کہہ دیتے ہیں کہ وصف کا حمل ذات پر صحیح نہیں۔ زیدٌ عالمٌ صحیح ہے۔ فرمایا وجہ یہ ہے کہ زید کا مطلب ہے زید ذات۔ اور علم کو زید پر محمول کرنا ایسا کہ زیدٌ وصفٌ۔ کیونکہ علم وصف ہے تو زید کو کبھی ذات کہنا کبھی وصف کہنا اجتماع نقیضین ہے۔ کیونکہ ذات وصف نہیں اور وصف ذات نہیں۔ فرمایا کہ کلام کے آخر میں مغائر کلام واقع ہو تو ماقبل کا حکم آخر کلام پر موقوف رہے گا۔ اور مغائر تین چیزیں ہیں۔

شرط - غایہ - استثناء - اپنے استاد صاحب کے حوالہ سے فرمایا کہ کسی کتاب کے کسی مقام کا سمجھ میں نہ آنا دو وجہ سے ہے غلط اور لغط یعنی یا کتاب میں غلطی ہے اور یا پھر سمجھنے والے کی سمجھ کی غلطی ہے۔ فرمایا کہ **النكتة تطلب للفار لا للقار** - نکتہ فار (فرار) کے لئے طلب کیا جاتا ہے۔ قار (قرار) کے لئے نہیں۔ اس کی مثال احقر اپنی طرف سے پیش کر رہا ہے۔ بخاری شریف کی ابتداء بسم اللہ سے ہوئی۔ خطبہ مذکور نہیں۔ اب اس کے لئے نکتہ چاہئے کہ امام بخاریؒ نے خطبہ سے کیوں فرار اختیار کیا۔ اس لئے کہ مصنفین کی عادت ہے کہ اپنی کتاب کا آغاز خطبہ سے کرتے ہیں۔ نکتہ اس کے لئے نہیں پوچھا جاتا کہ فلاں مصنف نے شروع میں خطبہ کیوں ذکر کیا۔ اسلئے کہ ہر مصنف کا اپنی کتاب کے شروع میں خطبہ ذکر کرنا قار ہے فار نہیں۔ اور نکتہ فار کے لئے ہوتا ہے نہ کہ قار کے لئے۔

آپ کو لکھنا نہیں آتا تھا۔ فرماتے تھے کہ طلباء استاد صاحب کے دروس اور امالی نوٹ کیا کرتے تھے۔ اور میں راتوں کو اٹھ کر اللہ سے دعا مانگتا تھا کہ یا اللہ اگر استاد صاحب کے درس کا عشر عشیر بھی یاد ہو جائے تو کافی ہے۔ فرمایا کہ یہ ان دعاؤں کی برکت ہے کہ اب درس میں کام چل رہا ہے یہ آپ کی کسر نفسی تھی۔ ورنہ آپ اپنے اساتذہ کرام کے عکس جمیل تھے۔

Scanned with CamScanner

سادگی - آپ سفید پوش اور پاک پوش سادہ تھے-سفید پگڑی، سفید چادر اور سفید لباس ہر وقت زیب تن رہتا تھا- سفید چہرہ اور سفید ڈاڑھی - ہر وقت گورے گورے نظر آتے تھے- قدرتی سفید رنگت کے علاوہ حد درجہ کی نورانیت بھی ہر وقت آپ کے چہرہ پر چھائی رہتی تھی - اردو زبان سے ناواقف تھے- معمولی سمجھ بوجھ تھی- ایک دن کہنے لگے کہ زیادہ عمر بغیر اردو کے گزر گئی یہ بقایا بھی گزر جائے گی- فرمایا کہ اپنا دستخط تنخواہ کے حصول کے لئے سیکھا ہے- کسی دعوت کی حاضری مشکل ہوتی تو طلباء کی درخواست پر لکھ دیتے- دعوت منظور ہے- بندہ معذور ہے-

عبادت- آپ انتہائی عابد بھی تھے- بچپن سے لیکر غالباً آخری وقت تک تہجد کی نماز نہیں چھوٹی- دونوں بھائی زمانہ طالب علمی سے صوفی کے نام سے مشہور تھے- ساتھی آپ کو بڑا صوفی اور ان کے بھائی کو چھوٹا صوفی کہتے تھے- آپ کی عادت تھی عشاء کی نماز پڑھ کر جلد سو جاتے تھے- پھر صبح کی اذان سے بہت پہلے جاگ جاتے - اپنی نماز اور وظائف پورا کرتے - آپ کے بیٹے مولانا اظہار الحق صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ انگریزی دواؤں کے اثر کی وجہ سے تہجد کے لئے دیر ے اٹھے تو انگریزی دواؤں کے کھانے سے انکاری بن کر کہنے لگے کہ بوقت ضروری میرے لئے حکیم سے دوائیں لایا کرو- آج میں جب سحری کے وقت جاگا تو صبح کی آذان میں صرف بیس منٹ باقی تھے - اور بہت افسوس کے ساتھ کہا کہ مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ نہ کر سکا- سلسلہ تصوف میں آپ مولانا عبدالغفور عباس مدنی سے بیعت تھے- آپ کو ان سے خلافت ملی تھی-

پابندی وقت- آپ تمام اعمال واشغال کے بہت پابند تھے- کسی وقت کا کوئی عمل آپ سے نہیں چھوٹا- مہمانوں کو اور ملاقاتیوں کو وقت دیتے تھے- کسی کی ملاقات کی وجہ سے وقت ضائع نہیں کیا- باتیں کرتے کرتے پیار بھرے انداز میں دعا کر کے ملاقاتی کو رخصت کر دیتے - اس کے بعد آپ کے بیٹے مہمان کی خاطر تواضع کرتے - صبح کی نماز کے بعد اور عصر سے مغرب تک بڑے قیمتی اوقات ہیں- موصوف ان کو ضائع نہیں کرتے تھے- فرماتے تھی کہ ان اوقات میں اللہ تعالی کی طرف سے معنوی تقسیم ہوتی ہے- (غالباً اس سے مراد باطنی کمالات کی تقسیم ہے- ذاکر حسن)

نرمی- آپ انتہائی درجہ کے نرم اور شفیق انسان تھے- آپ کے بیٹے گواہ ہیں- کہ کبھی کوئی سخت

لہجہ استعمال نہیں کیا- زندگی بھر میں انکی سختی یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی بات پر ناگواری ہوئی تو اپنے بڑے بیٹے مولانا اظہار الحق صاحب کو اپنے کمرہ میں بلایا اور فرمایا کہ اگر آپ اس بات سے باز آجائیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی- اور اگر آپ میری بات نہ مانیں گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا- صرف اتنی بات کہہ کہا- اب جاؤ اور آرام کرو- (کیونکہ رات کا وقت تھا) نہ بیٹے کی بات سنی اور نہ آپ نے مزید گفتگو کی- بیٹا کہتا ہے کہ میں نے ان کی بات مان لی تو پھر بہت دعائیں دیں-

غیبت سے اجتناب - غیبت تو ویسے ہی بڑا گناہ ہے- پھر اللہ والے اس سے بہت بچتے ہیں- آپ غیبت کرنے اور سننے سے کوسوں دور رہتے تھے- فرمایا کہ ہمارے استاد صاحب کے سامنے کوئی کسی کی تعریف نہ کر سکتا تھا - اگر کوئی کسی کی تعریف کرتا تو فوراً ٹوک دیتے - ہم عرض کرتے حضرت یہ تو تعریف ہے تو فرمایا ٹھیک ہے لیکن میں اس کو غیبت کی پہلی سیڑھی سمجھتا ہوں- اکثر لوگ تعریف کی پٹڑی سے اتر کر فوراً غیبت کی پٹڑی پر چلنا شروع کر دیتے ہیں- تجربات، حالات اور واقعات اس پر شاہد ہیں-

آپ کے بڑے بیٹے فرماتے ہیں کہ ملاقات کرنے والوں میں سے اگر کوئی کسی کی غیبت شروع کرتا تو آپ فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتے کہ دعا فرمائیں اس طرح وہ مجلس بجائے غیبت کے دعا پر ختم ہو جاتی - اور لوگ رخصت ہو جاتے - منکرات کو حکمت کے ساتھ روکنا اللہ والوں کا کام ہے نہ روکا نہ ٹوکا نہ اس کو محسوس ہونے دیا- خود غیبت سننے کے گناہ سے بچ گئے اور دیگر لوگ غیبت کرنے کے گناہ سے بچ گئے- سبحان اللہ کیا شان ہے- اللہ والوں کی-

دعائیں مانگنا - دعائیں مانگنا آپ کا شیوہ اور شعار تھا- ہر جمعرات کو درس کے اختتام پر عجیب عجیب دعائیں مانگتے تھے- فرماتے تھے اے اللہ ہمیں علم، عمل، تبلیغ اور تدریس کے ساتھ عطا کر- دعا کی درخواست کرنے والوں کو دلی دعائیں دیتے تھے- مجھے زندگی بھر میں جن کی دعاؤں سے تسلی اور اطمینان ہوتا تھا - وہ ایک آپ کی ذات بابرکات تھی اور ایک شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ بانی ومہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تھے- مولانا فضل الہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے- مجھے دعاؤں کی میلاد منانا آتی ہے- مطلب یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو لمبی لمبی اور اچھی اچھی تقریریں کرنا آتی ہیں اور مجھے

Scanned with CamScanner

[illegible]

اظہار عبدیت — [illegible]

[illegible] فلا تشكوا انفسكم لا تسمعوها الى على سبيل الاعجاب بها على سبيل الاعتراف بالنعمة فحسن — [illegible]

[illegible] (ص ۲۳۶)

علامہ [illegible] فرماتے ہیں: وهذا اذا كان على سبيل الاعجاب او الرياء فاما [illegible] ان ما عمله من العمل الصالح من الله وبتوفيقه وتأييده ولم يقصد به التمدح لم يكن من المزكين انفسهم لان المسرة بالطاعة طاعة وذكرها شكر — [illegible]

[illegible]

وفات — [illegible]

[illegible]

[illegible]

یادِ حیات

شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحب

قسط نمبر ۸

وطن واپسی

شام، اردن، لبنان کے تفریحی اور علمی دورے سے واپسی پر مدینہ منورہ اور مناسک عمرہ ادا کرنے کے بعد جدہ سے کراچی اور کراچی سے پشاور ائرپورٹ بتاریخ جمادی الاولی ۱۳۸۶ھ مطابق اگست ۱۹۶۶ء وطن واپس پہنچ گئے۔ والدم بزرگوار اور خاندان کے دیگر افراد، احباب وغیرہ استقبال کے لئے پشاور ائرپورٹ آئے ہوئے تھے۔ والحمد لله على ذلك. حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ تم اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حضرت مولانا سید عبداللہ کاکاخیل مرحوم اور جناب ڈاکٹر مولانا عبدالرزاق صاحب (حال مہتمم جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن) بنوری ٹاؤن میں پڑھاتے رہو۔ ایک طرف کراچی سے چارسدہ کی کافی دوری اور پھر کراچی کی آب و ہوا اور جناب حضرت بنوری اللہ علیہ کی جلالی شان کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے والد صاحب سے مشورہ کرنے پر فیصلہ موقوف کرادیا۔ حضرت بنوریؒ پر جلالی شان غالب تھی۔ اور میں تو دیہاتی آدمی تھا میں حضرت کے غصے سے بہت ڈرتا تھا۔ تو کراچی میں نہیں رہ سکا۔ اور والد صاحب بھی اتنے دور رہنے سے خوش نہیں تھے۔ لاہور کے جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہم جو میرے ابو داؤد شریف کے استاد بھی رہ چکے تھے، مجھے اپنے علاقہ سے اور حضرت مولانا موسیٰ خان مرحوم کو ملتان سے بلایا، اور وہاں جامعہ اشرفیہ میں تدریس کی دعوت دی، میں نے حضرت الاستاد مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے وہاں پڑھانے میں مشورہ کیا، آپ نے فرمایا، کہ پہلے تو مہتمم صاحب سے معاملات اور معاہدات میں صاف صاف بات کیا کرو تا کہ بعد میں شکایات اور حکایات کا موقع نہ رہے۔ کہ آپ جہاں بھی تدریس کروگے، میں آپ کے ساتھ ہونگا، یعنی محبت اور تعلق کے اعتبار سے۔

حضرت مولانا موسیٰ خان مرحوم اس سال سے وہاں مدرس ہو گئے۔ میں نے اپنے والد بزرگوار سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کرنے کیلئے کہا، ادھر اپنے چارسدہ کے حضرت مولانا روح اللہ جان صاحب جو میرے ہم درس اور ساتھی بھی رہ چکے تھے۔ اگر چہ سنجیدگی اور عمر وعلم میں مجھ سے بڑے تھے۔ اپنے دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی میں درس حدیث پڑھانے کیلئے کہا۔ اور اس مقصد کیلئے وہ تین بار آئے۔ پھر حضرت مولانا میاں صاحب مسرت شاہ کاکاخیلؒ کی سفارش پر حضرت والدم بزرگوار نے اتمان زئی میں بات کرلی۔ حضرت مولانا محمد اسرائیلؒ جو اس وقت دارالعلوم نعمانیہ کے مہتمم تھے۔ اور میرے والد صاحب اور جملہ خاندان سے ان کے خصوصی مراسم اور محبت اور احترام کا معاملہ تھا۔ اور ہمارے سب کے بزرگ اور ہم مشرب تھے، اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے خصوصی شاگرد اور جمعیۃ علماء اسلام سرحد کے ناظم اعلیٰ اور نہایت بصیرت اور فراست والے تھے، کی محبت اور اصرار پر دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی میں بحیثیت شیخ الحدیث اور صدر مدرس تقرری ہوگئی، تنخواہ ۱۸۰ ایک سو اسی روپیہ ماہوار اور سالانہ ترقی دس روپیہ پر حضرت مہتمم نے فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ ماہ شوال ۱۳۸۶ھ سے دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی، چارسدہ میں درس حدیث شریف شروع کیا، جملہ حدیث شریف کے درس نظامی میں داخل کتابیں میں خود پڑھاتا رہا، اور پہلے سال چھ طالب علم دورہ حدیث میں شریک رہے، پہلے سال نہ دستار بندی میں یعنی ۱۳۸۷ھ میں لاہور سے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے اکابرین ملت تشریف لائے۔ طلبا کی تعداد مختلف سالوں میں بڑھتی رہی، اور شعبان ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء تک مسلسل تقریبا ساتھ سال دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی میں پڑھاتا رہا، دوران تدریس پرائیویٹ طور پر پشاور یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں ایم۔ اے اسلامیات کا امتحان دیکر کل آٹھ سو نمبرات میں ۶۴۱ چھ سو اکتالیس نمبرات لیکر تمام یونیورسٹی میں اول آیا، اور انعامات گولڈ میڈل اور صدارتی انعام مبلغ تین ہزار روپیہ کا مستحق قرار دیا گیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ۔ جو گورنر سرحد نصیر اللہ بابر کے زمانے میں کانووکیشن ہال یونیورسٹی میں ان کے ہاتھ سے بمعہ سرٹیفکیٹ وصول کئے۔ اسی زمانہ میں دارالعلوم میں دارالحدیث بھی بن گیا، اور اسی دوران مفتی حسن جان مولانا روح اللہ صاحب کے صاحبزادہ جو آج کل مہتمم ہیں، پیدا ہوئے، اور خاندانی محبت کی وجہ سے انہوں نے میرا نام رکھا، بعض وجوہات کی

بنا پر حضرت مہتمم صاحب مولانا محمد اسرائیلؒ کو اعتقاد دیگر ٹل والوں کے اصرار اور دعوت پر ۴ رشوال ۱۳۹۲ھ مطابق ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۷۲ء سے دارالعلوم عربیہ ٹل شہر ضلع کوہاٹ میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث تقرری ہوئی، اور ان کیطرف سے ساڑھے چار سو روپیہ ماہوار پر حق الخدمت کا فیصلہ ہوا۔ ٹل میں تین سال دورہ حدیث پڑھانے کے بعد چارسدہ شوگر ملز کے یونین اور دیگر احباب اور نواب امیر محمد خان کی دعوت پر شوگر ملز کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے اور اکبر دارالعلوم مردان میں تدریس کیلئے بڑے اصرار کے ساتھ مجھے ٹل سے لے آئے، یہاں آکر میں نے نواب امیر محمد خان صاحب سے اکبر دارالعلوم میں پڑھانے سے معذرت کی، کہ وہاں حالاً حضرت مولانا شمس الحق افغانی (رحمۃ اللہ علیہ) نگران اعلیٰ اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب جیسے اکابرین موجود ہیں، تو میری وہاں کیا حیثیت ہے؟ تو انہوں نے کہا، کہ ہم بعض حضرات میں سے کسی کو رخصت کردیں گے۔ چنانچہ بعض احباب کی خواہش اور حضرات مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک جانا پسند کیا۔ اور بروز جمعۃ المبارک ۶ رشوال ۱۳۹۶ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۷۶ء دارالعلوم حقانیہ میں تقرری ہوگئی۔ اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زیردرس کتاب ترمذی کا ابواب صلوٰۃ سے اور بخاری شریف کتاب الجہاد سے کتاب النکاح اور مغازی جبکہ مشکوٰۃ میں جلد ثانی اور تصریح کا درس عنایت فرمایا، اور اپنی طرف سے چھ سو روپیہ ماہوار مقرر کیا۔ جب نواب امیر محمد خان کو معلوم ہوا، چونکہ میں ان کی جامع مسجد شوگر ملز میں جمعہ بھی پڑھاتا رہا، تو اس نے پیغام بھیجا" کہ ہم نے آپ کو ٹل سے بلایا ہے" آپ اکوڑہ خٹک کیوں چلے گئے۔ میں نے جواب میں کہا، کہ اس سال دارالعلوم حقانیہ جاچکا ہوں، آئندہ سال دیکھیں گے۔ آئندہ سال شوال سے نواب صاحب نے بعض اہم شخصیات کو اکبر دارالعلوم مردان سے رخصت کیا، اور اس نے مجھے پیغام بھیجا، کہ آپ کیلئے جگہ خالی کردی ہے، آپ اکبر دارالعلوم آجائیں میں نے کہا کہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ سے خود نہیں کہہ سکتا۔ آپ میرے ساتھ اپنے نمائندے کو بھیج دیجئے۔ وہ ان سے کہیں گے، چنانچہ ان کے سیکٹری حاجی مقبول اور اکاؤنٹنٹ نور محمد خان صاحب میرے ساتھ گئے۔ حضرت سے ملاقات کے وقت میں خاموش رہا۔ اور انہوں نے میرے بارے میں عرضداشت پیش کی

حضرت کی مجھ سے از حد محبت تھی۔ اور آپ نے میری داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا، اور فرمایا، کہ آپ قطعاً دارالعلوم کو نہ چھوڑیں، یہ الفاظ حضرت نے نہایت شفقت اور تواضع سے فرمائے، میں نے کہا، کہ آپ مجھے ان سے نجات دلائیں۔ تو حضرت نے ان سے فرمایا۔ کہ اس سال تو یہ یہاں رہیں گے پھر دوسرے سال دیکھیں گے، اور میری طرف سے نواب صاحب کو یہ پیغام پہنچا دیں۔ چنانچہ دوسرے سال بھی وہاں دارالعلوم حقانیہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر رہا، اور حضرت نے اپنی طرف سے سات سو روپیہ ماہوار مقرر کیا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے اخلاص تواضع اور شفقت میں اپنے مثال آپ تھے۔ حضرت کی صحبت سے پہلے کبھی کبھی دل میں خیال آتا تھا، کہ حضرت کا تواضع متکلفانہ نہ ہو، مگر ان کی صحبت میں رہ کر دارالعلوم میں معلوم ہوا، کہ یہ آپؒ کی طبعی صفت تھی، اپنے بچوں کیساتھ نہایت متواضعانہ برتاؤ میں تکلف نہیں ہوسکتا، میں اکثر دعاؤں میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصور باباجیؒ جیسے نیک اخلاق اپنے لئے رب العزت سے مانگتا ہوں۔

دارالعلوم حقانیہ کی برکات

۱۔ دارالعلوم حقانیہ کی برکات سے مجھے کافی فائدہ ہوا، تدریس کے طریقہ میں اصلاح ہوگئی، بڑے اکابرین علماء، مدرسین دارالعلوم کی صحبت اور مجلسوں سے فیض یاب ہوا۔ خصوصاً صدر مدرس حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم زروبوی والد حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ اور دیگر مشفق اساتذہ کرام سے۔

۲۔ آج کل کے مشہور علماء کرام کے استاد ہوجانے کا شرف حاصل ہوا۔ مثلاً حضرت مولانا فضل الرحمٰن امیر جمعیۃ علماء اسلام، حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مہتمم جامعہ عثمانیہ نوتھیہ پشاور، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مہتمم جامعہ ابی ہریرہؓ نوشہرہ، حضرت مولانا بدر منیر صاحب مہتمم جامعہ مدینہ بٹ خیلہ ملاکنڈ، حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبزادہ صدر صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب بام خیل رابطہ عالم اسلام وغیرہ جو اس زمانے کے فارغ التحصیل ہیں۔

۳۔ حضرۃ شیخ الحدیث کے خاندان سے خصوصی تعلق اور محبت اور فکری اور نظریاتی اتحاد رہا، جو آج تک قائم دوائم ہے۔

۴:۔دارالعلوم حقانیہ کو دیوبند ثانی کی حیثیت حضرت الحدیث رحمۃ اللہ اور آپ کے خصوصی معاونین اور اس وقت کے ناظم صاحب مرحوم کے مخلصانہ جدوجہد اور حضرت شیخ الحدیث کی دعاؤں کی برکت ہے۔

۵:۔نیا دورا اور تعمیراتی ترقی حضرت مولانا سمیع الحق کی مخلصانہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے مزید ترقی نصیب فرماویں۔آمین

دوسرے سال کے اختتام پر نواب امیر محمد خان صاحب کے اصرار پر اور سابقہ شیخ الحدیث و مہتمم کی رخصت ہونے کی وجہ سے اور اکبر دارالعلوم بند ہونے کے ڈر سے اور بعض علماء کرام اور محبین کے مشورہ پر، ایک دینی مدرسہ چلانے اور بند ہو جانے سے بچانے کیلئے حضرت شیخ الحدیث کو بادل ناخواستہ چارسدہ ہی سے استعفا بھیج دیا۔ان کو بالمشافہ نہیں کہہ سکتا تھا،اور ماہ شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء کو اکبر دارلعلوم مردان میں بحیثیت مہتمم وصدر مدرس اور شیخ الحدیث کے عہدہ اور فرائض پر تقرری ہوگئی ۔اور نواب صاحب کی طرف سے مبلغ پندرہ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے۔جامع مسجد شوگر ملز چارسدہ میں خطابت بھی رہی۔اور اسکی اپنی تنخواہ تھی۔چونکہ حضرت والدم بزرگوار سفر کے قابل نہیں رہے تھے۔تو نواب صاحب سے ان کی جامع مسجد شوگر ملز میں جمعہ کے علاوہ دیگر نمازوں کے پڑھانے کیلئے تقرری کرائی۔

میں نے اپنے ساتھ حضرت مولانا محمد اسرائیل صاحب حالاً شیخ الحدیث مسجد شہیدان مردان نائب رکھا۔اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ پہلے ہی سے موجود تھے۔اکبر دارالعلوم مردان کا قیام نواب منیر خان صاحب مرحوم کی رائے سے ہوا تھا۔وہ تمام بھائیوں میں سے زیادہ دیندار تھے۔اور اس دارالعلوم کیلئے کچھ زمین بھی وقف کرائی گئی تھی۔اور حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف مرحوم اور مولانا عبدالغنی اور مولانا فضل الرحیم پہلے ہی مقرر تھے۔میرے آنے سے ایک سال پہلے حضرت افغانیؒ رخصت ہوگئے۔اور مولانا میاں محمد شفیق قاضی خیل مہتمم بنائے گئے ۔اور میرے آنے پر مولانا شیخ الحدیث عبدالرؤف اور میاں محمد شفیق قاضی خیل مہتمم بنائے گئے ۔اور میرے آنے پر مولانا شیخ الحدیث عبدالرؤف اور میاں محمد شفیق صاحب

رخصت ہوئے،اور ساری زمہ داری میری سر ڈال دی گئی۔اکبر دارالعلوم کے دوسرے سال ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء حج کی سعادت سے مشرف ہوا۔اور اسی سال ۲۲ رذوالقعدہ بروز اتوار ۹۹ھ کو شاہ خالد مرحوم فرمانروائے سعودی عرب نے بیت اللہ شریف کے سنہرے دروازے کا افتتاح کیا۔جس پر ۱۶۰ کلو سونا خرچ ہوا ہے۔اور جبل ابی قبیس میں دوسرنگوں کا افتتاح ہوا۔ہم پہلے پیدل جانیوالوں میں رہے،اور اسی سال یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰ رنومبر ۱۹۷۹ء کو سانحہ ارہابیین (دہشتگرد) پیش آیا جو حرم شریف مکۃ المکرمۃ پر قبضہ کر گئے۔جس کی وجہ سے تقریباً پندرہ دن جمعہ اور جماعت اور طواف معطل رہا۔اناللہ وانا الیه راجعون ۔اور آخر جمادی الثانیہ میں وہ پکڑے گئے۔اور اپنی سزا کو پہنچ گئے۔مورخہ ۸ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ شب منگل کو مطابق ۱۳ راپریل ۱۹۸۱ء بعد از نماز عشاء بمقام لنڈی ارباب خانقاہ امدادیہ اشرفیہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت ہوا،اور حضرت نے بیعت کے ساتھ چاروں طریقوں ،نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی میں اجازت اور خلافت سے نواز۔فللہ الحمد علی ذلك ۔کبھی کبھار جمعۃ المبارک کے دن صبح کو پشاور لنڈی ارباب خانقاہ میں بیان کرنے کے لئے جاتا رہا،اور پھر جمعۃ المبارک کو اپنی جامع مسجد شوگر ملز چارسدہ میں جمعہ پڑھاتا رہا۔چونکہ نواب منیر خان صاحب وفات پاگئے تھے ۔اور نواب امیر محمد خان سپین میں سفیر ہوگئے ۔اور اکبر دارالعلوم نواب عبدالغفور خان کی نگرانی میں آیا،وہ بخیل تھے اور سخت تھے،جبکہ دوسری طرف حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور کے اصرار اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی خواہش اور طلب پر پانچ سال مردان میں گزارنے کے بعد نوابزادگان مردان کو استعفا دیکر مورخہ ۲۲ رشعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۵ رجون ۱۹۸۳ء بروز اتوار جامعہ امداد العلوم کے نام سے شاہ فیصل مسجد پشاور صدر میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث تقرری ہوگئی جو آج تک جاری ہے۔پھر جامع مسجد درویش بن جانے پر ان دونوں بزرگوں کی خواہش اور طلب پر اور اراکین مسجد کی زبانی اور تحریری خواست پر جامع مسجد شوگر ملز چارسدہ کی خطابت چھوڑ کر بروز جمعۃ المبارک مورخہ ۲۴ ر رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۳ رمارچ ۱۹۸۹ء جامع مسجد درویش میں خطیب اور سرپرست کی حیثیت سے

Scanned with CamScanner

پہلا جمعہ پڑھایا۔

جامعہ امداد العلوم اور درویش جامع مسجد کی مختصر تاریخ

جہاں اب دار العلوم اور نئی مسجد ہے، اس پلاٹ پر یہودیوں کا گرجا اور فری میسن لاج تھی، اور اس کا رقبہ تقریباً تین ایکڑ ہے، اس فری میسن تنظیم کے سربراہ اور خاص اراکین یہودی خفیہ تنظیم سے متعلق تھے۔ جو الماسونیہ العالمیہ کی شاخ ہے، اور اس سے وابستہ سادہ لوح مسلمان فوجی اور مالدار سرمایہ دار تھے، ان کو رقص و شرابوں اور ڈانس اور دیگر فحاشیوں میں پھنساتے تھے، اور ان سے ملک کے اہم اور خفیہ معلومات حاصل کر کے انڈیا، روس اور اسرائیل پہنچاتے رہیں، اور کسی مسلمان ممبر پر راز کھول جانے کے بعد اس کو قتل کراتے تھے۔ جب اس تنظیم کی خفیہ سرگرمیوں پر وزارت داخلہ مطلع ہوئی، تو اس تحریک کو عبد القیوم خان کی وزارت داخلہ کے دوران غالباً ۱۹۷۵ء میں خلاف قانون قرار دیا گیا۔ اور یہودی سرپرست بھاگ گئے۔ اور متعلقہ مسلمان ممبرز توبہ تائب ہو گئے، اور بلڈنگ پر مسلمانوں نے قبضہ کیا، کہ یہاں ہم جامع مسجد بنائیں گے، مسجد اور کمیٹی گئی، جس کی سربراہی کے لئے مولانا محمد اشرف صاحب سلمانی رحمۃ اللہ علیہ شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور کا انتخاب ہوا۔ بد قسمتی سے پشاور صدر کا علاقہ سرکاری ہے، جس میں انگریزوں نے چار عیسائی گرجوں اور ایک یہودی گرجا کیلئے زمین دی رکھی تھی، اور مسلمانوں کی مسجد کیلئے کوئی قطعہ اراضی نہیں تھا۔ حال یہ ہے کہ پورا علاقہ مسلمانوں کا تھا اور مسلمانوں سے انگریز حکومت نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ جاگیرداروں اور مسلمان لیڈروں سے مسجد کیلئے کوئی پلاٹ نہیں مانگی تھی، اور نہ خریدی تھی، اور غریب مسلمان کی کون سنتا تھا، صدر کے ہر گرجے کیلئے کافی زمین دی گئی ہے، جبکہ صدر کے علاقہ میں جو مساجد آباد ہیں، یہ غریب لوگوں کے چندوں اور ان کی طرف سے وقف شدہ چھوٹی چھوٹی پلاٹوں پر بن چکی ہیں۔ مسجد کمیٹی والوں نے فیصل مسجد کے نام پر یہاں جمعہ اور دیگر نمازیں شروع کرا دیں اور بورڈز لگواتے، مگر اس وقت کی حکومت یہاں پر کوئی ثقافتی مرکز بنانا چاہتی تھی، اسی کشمکش میں صدر ضیاء الحق مرحوم کا دور شروع ہوا۔ اور حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب راولپنڈی کی کوشش سے یہ پلاٹ صدر ضیاء الحق مرحوم نے دار العلوم کیلئے وقف کرا دیا۔ فیصل کا نام پہلے اس لئے رکھا گیا، کہ شاید عرب والے اس کو بنائیں گے

ان کو جب درخواست دی گئی تو ان کی طرف سے ۳۰ سے ۳۵ لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا گیا۔ ہم چاہتے تھے کہ اس کے ساتھ عیسائیوں کا نیا گرجا ہے، تو اتنی رقم پر بنی ہوئی مسجد کی شان اس سے کم ہوگی۔ پھر حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کراچی میں جو شیخ قاسم درویش قطر کا نائب اور یہاں کی تجارت کا افسر خاص تھا۔ اس کی وساطت سے شیخ قاسم کو یہ بات پہنچی، چنانچہ شیخ صاحب خود آگئے، اور یہاں کے محل وقوع کو دیکھ کر تمام اخراجات خود برداشت کرنے کا کہہ گئے۔ چنانچہ اس کے پروگرام اور نقشہ کے مطابق ایک عجیب سے زائد جگہ پر شاندار مسجد بن گئی، جس پر تقریباً ایک کروڑ اور پینتیس لاکھ روپیہ کی لاگت آگئی۔ اور ہم نے مسجد کا نام جامع مسجد درویش رکھ دیا، اگرچہ وہ خود ان باتوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مسجد تیار ہو جانے سے پہلے میں اور حضرت ضیاء کے ... اور مولانا ضیاء الحق قاسمی جو ائیر فورس میں ملازم تھے، وہ جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ مسجد تیار ہو جانے پر حضرت مولانا محمد اشرف اور حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہما اور مسجد کمیٹی کی خواہش پر میں نے مسجد کی سرپرستی قبول کر لی۔ اور جمعہ وغیرہ پڑھانے لگا، جو آج تک جاری ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

جاری ہے۔

مؤدبانہ گزارش

تمام ممبر حضرات سے گزارش ہے کہ جن کی خریداری مدت پوری ہو چکی ہے۔ وہ از راہ کرم زر سالانہ 125 روپے ارسال کر کے ادارے مالی بوجھ ہٹانے میں تعاون کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔ اگر رسالہ بند کرنا چاہیں تو ادارہ کو مطلع کریں شکریہ

ادارہ

اخبار الجامعہ

مولانا حمید اللہ جان

جدید داخلہ- جامعہ کے تعلیمی سال نمبر 11 کے آخری تعلیمی میٹنگ میں تعلیمی سال نمبر 12 کے لئے دیگر تعلیمی امور کے علاوہ شرائط داخلہ کا فیصلہ طے ہوا تھا- حسب اعلان مورخہ 4 دسمبر/9 شوال سے داخلے کا آغاز ہوا- نئے داخلے کے لئے آنے والے جدید طلباء کی سہولت کی خاطر استقبالیہ وانفارمیشن کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جو فارم لینے پر کرنے اور دیگر کوائف کے متعلق جدید طلباء کو معلومات فراہم کررہی تھی- حسب تاریخ درس نظامی کے درجہ اعدادیہ سے لیکر تا درجہ عالمیہ تک داخلہ لینے والے تمام جدید طلباء کا داخلہ امتحان (تحریری) 6 دسمبر بروز ہفتہ کو ہوا- جن میں کامیاب طلباء کا انٹرویو 9 دسمبر بروز منگل کو مکمل ہوا- درجہ تخصص کا امتحان داخلہ (تحریری) 8 دسمبر بروز پیر کو منعقد ہوا- کامیاب فضلاء کا انٹرویو 10 دسمبر بروز بدھ مکمل ہوا- درجہ حفظ کا داخلہ بروز جمعہ 5 دسمبر کو مکمل ہوا- شعبہ بنات کی قدیم طالبات کے داخلے کی تجدید 4 دسمبر کو ہوئی- جدید طالبات کا امتحان داخلہ (تحریری) 7 دسمبر بروز اتوار کو ہوا- کامیاب طالبات کا انٹرویو 10 دسمبر کو مکمل ہوا- واضح رہے کہ درجہ حفظ، اعدادیہ متوسطہ کے علاوہ درجہ اولی سے لیکر درجہ ثالثہ تک (ب) سیکشن کی کلاسیں جامعہ کی شاخ ہی میں ہیں- بشمول حفظ مختلف درجات میں نئے داخلہ لینے والے طلباء کی تعداد 149 تک پہنچ گئی- جامعہ عثمانیہ کے مرکز میں فی الحال قدیم طلباء کی تعداد 215 اور جدید طلباء کی تعداد 65 ہے- اور ہی شاخ میں فی الحال بشمول درجہ حفظ قدیم طلباء کی تعداد 101 ہے اور جدید طلباء کی تعداد 84 ہے- تو مجموعی طلباء کی تعداد 465 ہوگئی- شعبہ بنات میں قدیم طالبات کی تعداد 84 تھی- اور اب چالیس طالبات کا نیا داخلہ ہوا- تو مجموعی تعداد طالبات کی 124 ہوگئی تو یوں مجموعی تعداد طلباء + طالبات کی 589 تک پہنچ گئی-

مناقشہ-

حسب سابق امسال بھی تخصص فی الفقہ والافتاء سے فراغت حاصل کرنے والے فضلاء کے مناقشہ کا پروگرام مورخہ 24 دسمبر بروز بدھ منعقد ہوا- جس میں مجلس تعلیمی کے تمام اراکین شریک تھے- شرکاء مناقشہ نے فرداً فرداً اپنے مقالے کا مختصر خاکہ سناتے رہے-

موضوع سے متعلق سوالات اراکین کرتے اور شرکاء ان کا جواب دیتے- اراکین مجلس تعلیمی نے ان کی کاوشوں کو سراہا اور اطمینان کا اظہار کیا- شرکاء کے نام اور موضوعات یہ ہیں-

(۱) مفتی سمیع اللہ- جس کے مقالے کا موضوع ہے- (تفویض طلاق کا دائرہ کار)-

(۲) مفتی محمد ظاہر خان- جس کے مقالے کا موضوع ہے- (مرہونہ سے انتفاع کا استحقاق)-

(۳) مفتی رفیع اللہ- جس کے مقالے کا موضوع ہے- (پاکستان میں پرندوں کی تقسیم اور ان کا شرعی حکم)-

(۴) مفتی محمد ندیم- جس کے مقالے کا موضوع ہے- (تعیین قیمت کے ذرائع)-

افتتاح درس

داخلہ کے مراحل مکمل ہونے کے بعد مورخہ 11 دسمبر/16 شوال بروز جمعرات اسباق کا باقاعدہ افتتاح ہوا- افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مدیر الجامعہ حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن نے فرمایا-

آج جامعہ عثمانیہ کے تعلیمی سال نمبر 12 کی تقریب میں تمام نئے ساتھیوں کو خوش آمدید کہتا ہوں- داخلہ کے دوران جن دوستوں کو تکلیف ہوئی اور جن طلباء کو داخلہ نہیں مل سکا- ان سے ہم معذرت خواہ ہیں- کیونکہ جگہ کی تنگی اور شرائط داخلہ کی وجہ سے یہ رکاوٹ پیش آئی- جس میں ہمارے اختیار کا کوئی دخل نہیں- لہذا اپنی زحمت ہمیں معاف فرمائیں- ہماری خواہش تو یہ ہے کہ ہم جامعہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر تمام طلباء کو خوش آمدید کہیں- اور ان کو داخلہ دے دیں- لیکن حالات ہماری اس خواہش میں رکاوٹ بن جاتی ہیں- آپ حضرات کی اطلاع کے لئے عرض کروں کہ گذشتہ سال ہمارے مجلس تعلیمی کا جو اجلاس ہوا تھا اس میں یہ طے پایا تھا کہ بشمول حفظ شعبہ بنین اور شعبہ بنات کی کل

تعداد 530 ہوگی جسمیں 415 لڑکے اور 115 لڑکیاں شامل ہونگی۔ لیکن اس محدود نشستوں کے لئے سینکڑوں امیدواروں کا داخلہ ممکن نہیں۔ لیکن اسکے باوجود بھی ہم نے مقررہ حد سے تجاوز کر کے ساٹھ نشستوں کا اضافی داخلہ لیا۔ یوں طلباء کی تعداد 415 سے 470 ہوئی اور طالبات کی تعداد 115 سے 120 تک بڑھ گئی۔

محترم سامعین! داخلہ کے انتظامی امور کی تکمیل کے بعد ہم نے درس ترمذی سے افتتاح کرتے ہیں۔ الحمد اللہ آپ حضرات کا انتخاب اور اس مقدس سفر میں آپ کی شرکت ایک دینی مجاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دین اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے۔ اس بات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین بندوں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے ایک طویل ترین سلسلے کو اسی دین پر قربان کیا۔ آپ لوگوں کی محنت اور کوشش اس سلسلے کی کڑی ہے۔ آج کل کا دور بے دینی کا ہے یہ ممکن تھا کہ کسی دنیاوی مفادات کے لئے آپ لوگ سکول یا کسی ٹیکنیکل کالج یا دوسرے اداروں کی طرف چلے جاتے یا پیسے کمانے کے لئے بیرون ملک چلے جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام راستوں سے بچا بچا کر اپنے دین کے لئے منتخب فرمایا۔ اور طالب علم کا لقب دے کر ایسے فکر کا طالب بنایا جس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے رموز کھل جاتے ہیں۔ اس میدان سے وابستہ لوگ قابل عزت ہیں اور اس عزت کے مستحق آپ لوگ بھی ہیں۔ لیکن اسکے لئے ایک شرط یہ ہے کہ اس علم کی عزت آپ کے دل میں ہو۔ طالب علمی سے لے کر فراغت تک اور فراغت سے لے کر مرتے دم تک یہ نظریہ ہونا چاہیے۔ اور اس نسبت کو قابل فخر نسبت سمجھیں اور معاشرہ میں قدم رکھنے کے بعد اس نظریہ کا عملی ثبوت بھی دینا ہوگا۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جسکے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرما دیتا ہے اسے علم کی روشنی عطا کر دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے **انما انا قاسم واللہ یعطی**۔ علم اللہ ہی دیتا ہے اور آپ کے ذریعے سے اسکی تقسیم ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ پرچے اچھے طریقے سے حل کریں۔ کافیہ یا شرح جامی یاد کریں۔ بلکہ آپ جو علم سیکھ رہے ہیں اسکے ساتھ آپ کے ایمان کی قوت بڑھ جائے اور ایمان کا گراف بلند ہو اور اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن جائیں۔ آپ کا عقیدہ یہ ہو کہ میری عزت اور ذلت کے فیصلے مخلوق کے پاس نہیں بلکہ یہ فیصلے عرش پر ہوتے ہیں اس علم

کے ساتھ آپ کا یہ یقین بن جائے کہ میرا رازق اللہ تعالیٰ ہے۔

ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔ وفی السماء رزقکم وماتوعدون

یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ مدرسہ میں تدریس، امامت یا دکان کو اپنا رازق مت سمجھیں۔ دین جس کے توسط سے ملا ہے۔ وہ آپ ہیں۔ اس سے محبت کریں۔ یہ علم کی حقیقت ہے۔ اگر کتابیں ساری یاد ہوں لیکن اپنے منصب کو کمتر سمجھیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ عزت نہیں ملے گی۔ ہمارے اسلاف کے کارناموں میں دین کی عزت رہی ہے۔

آپ امام مالکؒ کے ان واقعات کو دیکھیں کہ بادشاہ وقت ہارون الرشید ان کو اپنے بیٹوں مامون الرشید اور امین الرشید کو سبق پڑھانے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ لیکن دین کی عظمت کی خاطر اور خودداری کا ثبوت دیتے ہوئے امام صاحب نے انکار فرمایا کہ وہ شاہی محل میں سبق پڑھانے نہیں آ سکتا۔ ہارون الرشید نے دوبارہ عرض کیا کہ شہزادے آپ کے پاس آئیں گے۔ آپ ان کو الگ اور مستقل وقت دیکر پڑھائیں۔ جواب میں فرمایا کہ میں یہ بھی نہیں کر سکتا بلکہ عام طلباء کی طرح شریک ہوں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ اس باب میں شہزادوں کو غریب طلباء پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ جو کہ قرآن کی آیت **لاتمدن عینیك الی مامتعنا بہ** کی ایک عملی تفسیر ہے

اسی طرح شیخ الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے اپنے ملفوظات میں حضرت نانوتویؒ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ شیخ الٰہی بخش جو کہ ہندوستان کے بڑے مالدار آدمی تھے۔ حضرت کے پاس ملاقات کے لئے ہدیہ لے کر آیا۔ اس کے پاس دو تھیلے پیسوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے دل میں یہ بات تھی کہ آج میں سب سے بڑا ہدیہ لے کر جا رہا ہوں۔ حضرت کو شاید اس کے حالات کا پہلے سے علم تھا یا موجودہ صورت حال سے ادراک کیا ہوگا۔ **اتقو من فراسۃ المؤمن** اور یوں حضرت حجام کے پاس اپنے آپ کو مصروف کیا۔ الٰہی بخش نے دو تین گھنٹے انتظار کرتا رہا۔ حضرت نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی آخر کار آپ نظر اٹھا کر اس طرف دیکھا اور اس نے کہا کہ حضرت یہ پیسے لایا ہوں۔ حضرت نے فرمایا ہمیں ضرورت نہیں عرض کیا کہ مدرسہ میں داخل کریں۔ فرمایا کہ وہاں بھی ضرورت نہیں۔ مدرسے کی جو مقدار ضرورت ہے وہ پوری ہو چکی ہے۔ تو صاف انکار

کرکے واپس کردیا۔ شیخ الٰہی بخش نے غصہ میں آکر وہ پیسے جوتیوں کے اوپر پھینک کر چلا گیا۔ جب حضرت جوتے پہننے کے لئے باہر آئے تو جوتیاں ان پیسوں کے نیچے سے مل گئیں۔ تو حضرت نے فرمایا دیکھو بھائیو! ہم دنیا سے بھاگتے ہیں اور دنیا ہمارے جوتوں میں آرہی ہے۔ حضرت تھانویؒ ایک شیخ اور اس کے مرید کا قصہ نقل کرتے ہیں کہ مرید نے شیخ کے پاس چادر میں خشک پتے ڈال کر بطور ہدیہ لیکر حاضر ہوا۔ حضرت نے پوچھا کہ میں ان پتوں سے کیا کروں۔ عرض کرنے لگا کہ میرے پاس اور کوئی چیز نہیں تھی۔ یہ خشک پتے روٹی پکانے کے کام آئیں گے۔ شیخ صاحب نے اپنے دوسرے مریدوں سے فرمایا کہ یہ پتے بکس میں محفوظ کرکے رکھو۔ اور جب میں مرجاؤں تو میرے غسل کے پانی کو ان پتوں سے گرم کرنا۔ میرا یقین ہے کہ اس کے اس اخلاص کی وجہ سے میری بخشش ہوجائے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ دل میں اخلاص ہو۔ دنیا کی عظمت نہ ہو۔ اگر دین کی عظمت ہوگی تو رزق کا انتظام اللہ تعالیٰ کرے گا۔ آپ اپنے مدرسے سے باہر جائیں گے تو لوگوں کا آپ کو دیکھنا اور تاثر لینا دین کی دعوت ہوگی۔ لہذا علم کی عزت جب دل میں ہوگی تو علم حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔ آپ حضرات کا جو داخلہ ہو چکا تو ہمارے اوپر آپ کی علمی، اصلاحی اور اخلاقی خدمت کا حق بنتا ہے۔ لہذا عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر انشاء اللہ آپ کی تربیت کریں گے۔ آپ یہ کوشش کریں کہ ہماری وجہ سے یہ مقدس دین بدنام نہ ہوجائے۔ لہذا فواحش و منکرات سے اجتناب کریں۔ آپ کو یہاں پر جگہ کی تنگی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تکلیف ہوگی۔ اس کا برداشت کرنا آپ کے علم کی ترقی کا باعث ہوگا۔

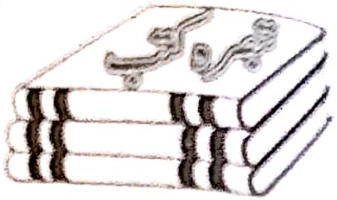

تبصرہ نگار: احسان الرحمٰن عثمانی

کتاب کا نام: برکات غفوریہ

مؤلف: سید حشمت علی المدنی مدظلہ العالی

ضخامت: ۲۷۳ صفحات

ناشر: ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

دنیا میں ہمیشہ یہ عجیب سا نظام چلا آرہا ہے کہ بعض شخصیات جب اس دار فانی سے کوچ کر جاتی ہیں تو ان کے محبین، لائق تلامذہ، مخلص احباب، خدام اور متعلقین ان کے احوال و معارف، علمی کمالات اور دیگر معمولات کا تذکرہ کرکے جہاں اپنے شیخ و مرشد کے ساتھ اظہار عقیدت کرتے ہیں، وہاں اپنے لئے اس کو سرمایہ افتخار و نمونہ حیات بھی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان بزرگان دین و سلف صالحین کے احوال و اقوال مبتدیوں کے لئے اشتیاق و ترغیب کے بعد بسا اوقات اخلاق کے خوابیدہ جذبات کے بیداری کا سبب ہوجاتے ہیں اور یہ عقیدت مند راہ پر لگ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں زیر نظر کتاب ﴿برکات غفوریہ﴾ جو کہ ہمارے قریبی دور کے مایہ ناز اور سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ ہستی قطب العالم زبدۃ السالکین حضرت مولانا عبدالغفور العباسی المدنی کی سیرت و سوانح پر ایک بہترین کاوش ہے۔

مؤلف کی یہ عظیم خدمت یقیناً قابل صد ستائش ہے کہ انہوں نے حضرت والا کے علوم و معارف، ورد ول، ذوق و شوق، عبادات، انابت الی اللہ، اتباع سنت، احترام شریعت، قرآن و حدیث سے تعلق، بذل و عطاء، فیوض و تاثیر اور علمی عملی زندگی سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ کیونکہ یہ ایک ایسی سعادت ہے جس پر دارین کی فلاح موقوف ہے اور کیوں نہ ہو کہ ان حضرات کے جانے سے خلاء پر

نہیں ہوتا ان کی یادیں تادیر قائم رہتی ہیں۔ اور یہ وہ حضرات ہوتے ہیں جن کی زندگیاں اوروں کی اصلاح وتربیت کے لئے وقف ہوا کرتی ہیں۔ وہ صرف اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے گزارتے ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور ان کی ذات ایک انجمن کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب کی مجموعہ ترتیب سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ دور جدید کے بعض ملحدین، جن کا تصوف جیسے عظیم دینی خدمت اور ان میں شامل شخصیات پر، جو بے جا طعن وتشنیع ہے، ان کے لئے یہ ایک لاجواب تحقیق ہے۔ جبکہ موصوف کے روحانی منتسبین، سلسلہ نقشبندیہ اور دیگر معتقدین کے لئے یہ تذکرہ شیخ ایک اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ مولف کی اس عظیم خدمت کو اپنے دربار عالیہ میں قبول فرما کرامت کے لئے انقلابی لائحہ عمل کا ذریعہ بنائے۔

کتاب کا نام:۔ مجموعة الحواشی اعنی ضیاء الراجی علیٰ متن السراجی

تالیف:۔ شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب

ضخامت:۔ ۳۳۵ صفحات

ناشر:۔ دار التصنیف دار العلوم سعیدیہ اوگی ضلع مانسہرہ

اسلام سے پہلے عرب وعجم کی قوموں میں انسان کی صنف ضعیف، یتیم بچے اور عورتیں ہمیشہ طرح طرح کے ظلم وستم کا شکار رہی ہیں۔ اول تو ان کا کوئی حق تسلیم ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی حق مان بھی لیا جاتا تو مردوں سے اس کا حصول محفوظ رکھنا کسی کی قدرت میں نہ تھا۔ اسلام نے سب سے پہلے انہیں ان کے حقوق دلائے۔ پھر ان حقوق کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا۔ قانون وراثت میں بھی عام اقوام دنیا نے معاشرے کے ان دونوں ضعیف اصناف کو ان کے فطری اور واجبی حقوق سے محروم کیا ہوا تھا۔ عربوں نے تو اصول ہی یہ بنا لیا تھا کہ وراثت کا مستحق وہ ہے جو کہ گھوڑے پر سوار ہو۔ دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ اور فن حرب میں مہارت کاملہ رکھتا ہو۔ اور یوں بوڑھے، بچوں اور عورتوں کو میراث سے محروم کیا جاتا۔ اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ مذہب نے آکر زمانہ جاہلیت کے خود ساختہ قوانین کی

تردید کرتے ہوئے قانون فرائض کا اجراء کیا۔ تاکہ ہر ذی حق کو اس کے حقوق کی تعیین کرتے ہوئے ان کے حصول میں حتی الامکان دشواری کو ختم کیا جا سکے۔ علم فرائض کا یہ علم قرآن وحدیث یا اجماع امت سے جانا جاتا ہے۔ قیاس کو اس کے ثبوت میں کوئی دخل نہیں۔ اور یہی اسکی اہمیت وعظمت کی روشن دلیل ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے علم فرائض کی عظمت وفضیلت کے بارے میں یوں فرمایا! (تعلموا الفرائض و علموها الناس فانها نصف العلم) اس قسم کی فضیلت دیگر فنون کے بارے میں نہیں آئی ہے۔ اور یہ خوبی اسکوفن کی دقت اور ماہر فن کو کمال ثواب کے اعطاء کی خاطر دی گئی عصر حاضر میں علم فرائض پر علامہ عبدالرشید سجاوندی کی سراجی کے نام سے ایک شاہکار تصنیف ہے۔ جسکی مقبولیت کسی سے مخفی نہیں۔ مذکورہ کتاب کی مختلف شروحات وقت کے تقاضوں کے مطابق ماہرین فن نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق عربی، اردو، فارسی اور پشتو وغیرہ میں تالیف فرمائی ہیں۔ زیر نظر کتاب مجموعة الحواشی اعنی ضیاء الراجی علیٰ متن السراجی بھی اس سلسلہ کی ایک احسن کڑی ہے۔ جس کو تالیف کی لڑی میں استاد العلماء شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب المعروف خطیب نے پرویا ہے۔ اور یہ موصوف کے ساٹھ سالہ تجربے کا نچوڑ اور نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توضیح وتشریح پر طائرانہ نظر دوڑاتے ہوئے قاری فوراً اہم امور کی نشاندہی کر لیتا ہے۔ اسی طرح متن کی وضاحت کافی بسط وتفصیل سے کرنے کے بعد میت کے احوال کی پہچان میں کثیر التعداد امثلہ لا کر عام فہم اور سلیس طریقے سے افہام کی خاص کوشش کی گئی ہے۔ یہ حضرت خطیب صاحب کا عظیم اور شاہکار کارنامہ ہے۔ کہ انہوں نے معلمین اور متعلمین کی اس فن میں علمی تشنگی کی کافی حد تک سیرابی کی ہے۔ فنی مغلقات اور دقائق کی وضاحت فرما کر مشکلات کا ازالہ فرمایا ہے۔

کتاب کے آخر میں مولی کے مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے نذر غیر اللہ اور نفی علم غیب پر بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مضمون ضمیمہ کے طور پر شامل کیا ہے اور یہ وہ مقصدی چیز ہے۔ جسکے لئے حضرت خطیب صاحب کی پوری زندگی صرف ہوئی اور یہ ان کے عملی مشن کے اولین ترجیحات میں سے ہے۔ حق تعالیٰ مولف کی اس عظیم خدمت کو مقبولیت عامہ سے نواز کر تادیر اس کی افادیت کو قائم

Scanned with CamScanner

دائم رکھے۔اور خود حضرت موصوف کے لئے اس دینی خدمت کو فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔

کتاب کا نام: سوانح مولانا محمد احمد صاحب

تصنیف:۔ مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت:۔ ۱۷۲صفحات

ناشر:۔ القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

کسی ولی کامل جامع الصفات شخصیت یا کسی معتبر عالم دین کی زندگی کے تمام نقشے کو یکجاء کر کے ایک مجموعے کی شکل میں پیش کرنے کو سوانح یا اس قسم کے مترادف الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔اس میں پیش نظر صرف یہی بات ہوتی ہے کہ جن حضرات کو ان کی باسعادت زندگی کا براہ راست مشاہدہ نہ ہوا ہو تو اسکے ذریعے انکی کسی حد تک تشنگی دور ہوسکتی ہے اور ایک گونہ تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں ہمارے دور جدید کے مایہ ناز عالم دین مفسر قرآن الحاج حضرت مولانا محمد احمد صاحب ایسے ہی شخصیات میں سے تھے، جو اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔اور جنکی پوری زندگی عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لئے وقف تھی۔انکی سوانح سیرت و افکار اور دینی خدمات کو مولانا موصوف عبدالقیوم حقانی صاحب نے زیر نظر کتاب ﴿سوانح مولانا محمد احمد﴾ کے نام سے شائع کیا ہے۔جسمیں مولانا موصوف کی زندگی کے گوشے گوشے کو مختلف ابوابوں کی شکل میں مرتب کیا ہے۔جو کہ مختلف مکتب فکر کے لوگوں کی زندگی صراط مستقیم پر استوار کرنے کے لئے کافی ہے۔الحمدللہ انداز تحریر میں تسلسل کتاب کی افادیت میں اضافہ ہے۔اور یوں قاری کے لئے تکمیل کتاب ایک لابدی اور سہل امر ہوتا ہے۔اعلی جلد بندی، نفیس کاغذ اور خوشنما دلکش ٹائٹل ایک اضافی خوبی ہے۔حق تعالی موصوف کی اس عظیم خدمت کو اپنے دربار عالیہ میں قبول فرما کرامت کی اصلاح کے لئے ایک ذریعہ ثابت کرے۔

ایں دعا از من واز جانب جہاں آمین باد

بنوں
برانڈ
ٹریڈ مارک
معیار میں اعلیٰ

توابل الادم

سولہ اجزاء کا مجموعہ

بنوں

سالن مصالحہ

مرچ سرخ، دھنیا، ہلدی، لہسن، میتھی، زیرہ، کالی، دارچینی، جلوتری، الائچی کلاں، امچورہ، انار دانہ، تیز پتہ، جائفل، لونگ اور ٹماٹر پاوڈر

تیار کردہ:۔ حاجی مقبول الرحمٰن، شاہ فیاض خان

گل آباد کالونی دلہ زاک روڈ پشاور - پاکستان